مدیر مسئول

اصغر علی امام مہدی سلفی

مدیر

عبدالقدوس اطہر نقوی

نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی

مجلس ادارت

مولانا محفوظ الرحمن فیضی مولانا شہاب الدین مدنی ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی مولانا طٰہٰ سعید خالد مدنی مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
سعادت ونحوست - کتاب وسنت کی روشنی میں	۷
ماہ صفر اوراس کے آخری بدھ کی حیثیت	۱۱
ارکان اسلام کی اہمیت وضرورت	۱۵
قرض کے احکام ومسائل	۲۰
نبی کریم ﷺ سے سچی محبت اوراس کی پہچان	۲۶
طب وصحت	۲۹
مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز	۳۰
جماعتی خبریں	۳۱
کلینڈر 2020	۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک

سالانہ ______ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ______ ۷/روپے
پاکستان ______ ۵۰۰/روپے

بلاد عربیہ و دیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

اصغر علی امام مہدی سلفی

حالاتِ حاضرہ اور ہماری ذمہ داریاں

بحیثیت انسان، خصوصا باعتبار مسلمان اور بتقاضائے اوقات وازمان ہم پر ذمہ داریاں بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔ حالات وواقعات ویسے ہی رونما ہوتے ہیں جیسے ہم اپنی ذمہ داریوں سے نپٹتے ہیں اور نبھانے کی سعی کرتے ہیں۔ کیوں کہ قانون فطرت ہے کہ عمل سے ہی زندگی بنتی ہے، بے عمل و بے کردار انسان دراصل لاشئ محض ہے۔ اور اگر اتفاق سے وہ مسلمان بھی ہے تو پھر حالات مزید دگرگوں اور سنگین ہو سکتے ہیں کیونکہ اس کے وجود کی مثال میدان کارزار میں عین معرکہ آرائی کے دوران ایک فوجی، عسکری یا جرنل وکرنل کی ہے، جس کے اوپر میمنہ ومیسرہ اور قلب کی ساری اقدامی اور دفاعی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ دیگر امور وحاجت براری، سیاست وتدبیر وتفتیش اور تحقیق وتجسس کی بھی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اب اس کو سوچنا ہے کہ ان اہم ترین مسائل کو حل کرنے کے لیے اس کے پاس کیا لائحہ عمل ہے اور وہ کس رخ پر جارہا یا سو رہا ہے۔؟ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا، وقت اور حالات کی نبض کو نہ ٹٹولنا اور گمان یہ باندھے رکھنا کہ گھڑی کی سوئی بھی سوتی رہے گی اور لمحے اور حالات ویسے ہی منجمد ونا کارہ ہوکر پڑے رہیں گے جیسا کہ ہم، ہماری قوم، ہماری جماعت اور ملک وسماج بھی سو رہے ہیں اور منجمد ہو رہے ہیں۔ ایسے میں حالات اور تیزی سے بے قابو ہوتے چلے جائیں گے اور ہم کف افسوس ملتے ہوئے پیچھے رہ جائیں گے۔ دنیا کی دوڑ میں ہی نہیں اپنی اگلی منزل آخرت کی دوڑ میں بھی، جس کے سلسلہ میں ہمیں مسابقہ ومسارعہ کرکے مثل برق آگے بڑھ جانا تھا۔ آپ غور کریں کہ آپ کو دیگر اقوام وملل حتی کہ دیگر مخلوقات کے مقابلے میں دنیا اور اس کی محدود وسعتوں میں ہی آگے نہیں بڑھنا تھا بلکہ آخرت جو کہ انسانی ذھن و دماغ میں لامحدود اور زمان ومکان سے بڑی دنیا ہے، میں بھی پہنچنا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہوگا کہ ہم دنیا کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں بلکہ مقابلے میں ہوں ہی نہیں اور آخرت کی بڑی دوڑ میں بھی کامیاب ہوجائیں۔

درحقیقت آخرت کی کامیابی وسرخروئی اور عزت و بلندی کا رشتہ پوری طرح دنیا سے جڑا ہوا ہے۔ اس لیے دنیا میں اپنی حرکت وعمل کے ذریعہ زندگی کا ثبوت دینا ہوگا اور اپنے گردوپیش، خاندان ومعاشرہ، ملک وملت اور انسانیت کے تئیں اپنی متنوع ذمہ داریاں نبھانی ہوں گی اور اس دنیا میں اخلاق فاضلہ،

اعمال صالحہ اور اللہ کی مخلوقات کی خدمت کے بوقلموں گل بوٹے کی کاشت کر کے آخرت کو باغ و بہار بنانا اور سامان عیش ونشاط سے سجانا ہوگا۔ اور یہی وہ حقیقت جامعہ ہے جسے یوں بیان کیا گیا ہے۔ ”الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ “(الملک:۲)”جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے۔ اور وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔“

حدیث رسول نہ سہی مشہور قول ہے۔”الدنیا مزرعة الآخرة“ کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یہ دنیا تو فرائض وذمہ داری کی ادائیگی اور قوم وملت کے لیے بہت کچھ کر جانے کے لیے ہے۔ اس دنیوی زندگی میں بھوکوں کو کھانا کھلانا، پیاسوں کو پانی پلانا اور بیماروں کی عیادت کرنا گو معمولی سی بات لگتی ہے۔ لیکن چونکہ اس کا تعلق اللہ کے بندوں کی راحت رسانی، خدمت اور ان کے تئیں اپنی ذمہ داری کو محسوس کرنے سے ہے اس لیے اس کی اہمیت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ یہ اللہ کی رضا وخوشنودی کے حصول کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:”ان اللہ عز وجل یقول یوم القیامة یا ابن آدم مرضت فلم تعدنی، قال یا رب کیف اعودک وأنت رب العالمین قال أما علمت أن عبدی فلانا مرض فلم تعده أما علمت أنک لو عدته لوجدتنی عنده، یا ابن آدم استطعمتک فلم تطعمنی، قال یا رب وکیف اطعمک؟ وانت رب العالمین قال: أما علمت انه استطعمک عبدی فلان ، فلم تطعمه؟ أما علمت انک لو اطعمته لوجدت ذلک عندی، یا ابن آدم استسقیتک، فلم تسقنی، قال: یارب کیف اسقیک؟ وانت رب العالمین، قال استسقاک عبدی فلان فلم تسقه، أما انک لو سقیته وجدت ذلک عندی“(مسلم)

”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی، بندہ کہے گا کہ الٰہی میں تیری عیادت کیسے کرتا، تو تو سارے جہاں کا رب ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو تو نے اس کی بیمار پرسی نہیں کی۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کریگا کہ الٰہی تجھے میں کیسے کھانا کھلا سکتا ہوں تو تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے پتہ نہیں کہ تجھ سے میرے فلاں بندے نے کھانا مانگا تو تو نے اسے نہیں کھلایا، کیا تجھے پتہ نہیں کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو تو اُسے میرے پاس پاتا۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے نہ پلایا، بندہ عرض کرے گا کہ مولیٰ میں تجھے کیسے پانی پلاتا تو تو سارے جہاں کا رب ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھ سے میرے فلاں بندہ نے پانی مانگا تو تو نے اسے نہ پلایا۔ اگر تو اسے پلاتا تو اسے میرے پاس پاتا“۔

انسان کی دنیاوی زندگی خورد ونوش اور اقامت وسکونت اور صحت وسقم سے کہیں زیادہ انسانی ضرورتوں میں سب سے اہم ترین ضرورت اخروی ہے۔ دنیوی غذاؤں اور دواؤں کی کوئی حیثیت اور شمار وقطار اس معنیٰ میں نہیں ہے کہ یہ ضرورتیں عارضی، وقتی اور محدود بھی ہیں اس میں کسی صالح اور طالح کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اصل مرحلہ آخرت کا ہے بلکہ اللہ جل شانہ دنیا میں سب کا کفیل و مددگار اور پالنہار ہے۔

لیکن آخرت کا معاملہ بالکل دیگر ہے۔ وہاں کی غذاؤں اور وہاں کے لیے زاد راہ الگ ہے۔ اور وہاں کی بیماری ناسور اور طویل ہے جس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا وہاں کوئی ذریعہ نہ ہوگا۔ ارشاد ہے:

”یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ“ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ“. (الشعراء:۸۸-۸۹)”جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی لیکن فائدہ والا وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بے عیب دل لے کر آئے گا“۔

”فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ“. (المدثر:۴۸)”پس انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی“۔

”وَلَا یَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا یُّبَصَّرُوْنَهُمْ یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ بِبَنِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُئْوِیْهِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ یُنْجِیْهِ كَلَّا اِنَّهَا لَظٰی نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰی وَجَمَعَ فَاَوْعٰی“. (المعارج:۱۰)”اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔ (حالانکہ) ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں گے۔ گناہ گار اس دن کے عذاب کے بدلے فدیہ میں اپنے بیٹے کو، اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے کنبے کو جو اسے پناہ دیتا تھا اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا تا کہ یہ انہیں نجات دلا دیں مگر ہرگز یہ نہ ہوگا۔ یقیناً وہ شعلہ والی آگ ہے جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لانے والی ہے۔ وہ ہر اس شخص کو پکارے گی جو پیچھے ہٹتا اور منہ موڑتا ہے اور جمع کر کے سنبھال رکھتا ہے“۔

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ لِکُلِّ امْرِئٍ

مِّنۡهُمۡ يَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ" يُّغۡنِيۡهِ ". (عبس:۳۴-۳۷) ''اس دن آدمی اپنے بھائی سے، اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایسی فکر دامن گیر ہوگی جو اس کے لیے کافی ہوگی''۔

''فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوۡرِ فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوۡنَ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ وَمَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فِىۡ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ''. (المومنون:۱۰۱-۱۰۳) ''پس جب کہ صور پھونک دیا جائے گا اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے نہ آپس کی پوچھ گچھ۔ جن کی ترازو کا پلہ بھاری ہوگیا وہ نجات والے ہوگئے اور جن کے ترازو کا پلہ ہلکا ہوگیا یہ ہیں وہ جنھوں نے اپنا نقصان آپ کرلیا، جو ہمیشہ کے لیے جہنم واصل ہوئے''۔

آج حالات کی سنگینی اور اس کی ابتری کا عالم یہ ہے کہ اللہ کی رضا وخوشنودی کی خاطر نہ کوئی حوائج دنیوی ودینی کی طرف توجہ دینے والا ہے اور نہ کوئی ان کی دوا و علاج کرنے کے لیے تیار وفکر مند ہے۔ چہ جائیکہ وہ خاندان، سماج، ملک وملت اور انسانیت کے تئیں اپنی ذمہ داریاں نبھائے جن سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہو اور آخرت کی منزل آسان ہوجائے کیوں کہ انسانی زندگی کا مقصد اولین اور اسلامی زندگی کا محور ومقصد صرف اور صرف یہی ہے کہ آخرت کی سرخروئی بہر حال حاصل ہو اگر یہ نہ رہا تو '' خسر الدنیا والآخرة '' کے مترادف ہوگا۔

ایک بندہ مومن کے لیے جہاں آخرت کی سعادت وکامرانی مقصود ہے وہیں اس کے لیے دنیا کی فوز وفلاح بھی مطلوب ہے۔ اس لیے اس کو یہ دعا سکھائی گئی ہے۔ ''رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ(البقرہ:۲۰۱) ''اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی فرما اور ہمیں عذابِ جہنم سے نجات دے''۔

چونکہ ہر زمانے کے مطالبات، تقاضے اور مسائل الگ الگ ہوتے ہیں اس لیے ان کی ذمہ داریاں بھی مختلف ومتنوع ہوتی ہیں اور ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے حکمت، طریقۂ کار اور وسائل بھی جداگانہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان مسائل، اور ذمہ داریوں اور وسائل کا ادراک ازحد ضروری ہے۔

دوسری بات یہ کہ ہر شخص اپنی ذمہ داریوں کے تئیں خود جواب دہ ہے۔ دوسرا کیا کررہا ہے اور کس حد تک اپنی ذمہ داری نبھا رہا ہے یہ سوچنے کے بجائے اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی کی فکر کرنی چاہئے۔ آج کا ایک بڑا مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہر شخص اپنی ذمہ داری دوسروں کے سر منڈھنے کے فراق میں لگا ہوا ہے کہ اس کو ایسا کرنا چاہئے، لوگ ایسا کیوں نہیں کررہے ہیں، مجھے کیا کرنا چاہئے اس کی فکر نہیں ہوتی جس کی وجہ سے روز بروز مسائل کے انبار لگتے جارہے ہیں اور پریشانیوں اور مصائب ومشکلات میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے کیونکہ ان کی وجہ ہمارا غیر ذمہ دارانہ رویہ اور سلوک ہے بلکہ یہ سب ہمارے ہاتھوں کی کمائی اور کاشت ہے۔ ''ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِى النَّاسِ لِيُذِيۡقَهُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ''۔ (الروم:۴۱) ''خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا، اس لیے کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھا دے، بہت ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں''۔

اسی طرح عام طور پر حالات کی نامساعدگی کا رونا رویا جاتا ہے جو کہ صحت مند رویہ نہیں ہے۔ مسلمان تو وہ قوم ہے جس نے تاریخی طور پر اپنے قوت فکر وعمل کے ذریعہ حالات کے رخ اور رفتار کو روکا ہے اور وقت کے دھارے کو بدلا ہے۔ اور خارزار ماحول میں بھی پھولوں کی لطافت ونرمی پیدا کی ہے۔ اس لیے کہ ان کا ایمان تھا ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ'' (الرعد:۱۱) ''کسی قوم کی حالت اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے''۔

حالات کی نامساعدگی سے انکار نہیں ہوسکتا لیکن امت اسی وطن عزیز میں اس سے بھی زیادہ ناگفتہ بہ حالات سے گزر چکی ہے۔ فتنہ استعمار اور تقسیم وطن سے ماقبل کے دگرگوں حالات اور بعد کی ہولناکی وتباہ کاری اور قیامت خیزی پھر وقتاً فوقتاً فرقہ وارانہ فسادات کی خون آشامی کیا کم تھی لیکن ان صبر آزما حالات میں بھی ہم نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی نہیں کی اور ہندو مسلم سکھ عیسائی آپس میں سب بھائی بھائی کا نعرۂ یکجہتی اور اتفاق واتحاد کا مظاہرہ کیا تھا، جس کے نتیجے میں ہم امن وشانتی کی دولت سے محظوظ ہوئے اور ہم، ہمارا سماج اور وطن عزیز بہت سے خرخشوں سے بچ گئے۔

حالات خواہ کیسے بھی ہوں لیکن ایک حقیقت مسلم ہے کہ قوم وملت اور انسانیت کی خدمت اور اللہ کے بندوں تک اس کے رب و پالنہار کے پیغام کی ترسیل ایسی ذمہ داری ہے جو ہر زمانے میں مشترک رہی ہے اور رہے گی۔ اس لیے اگر موجودہ حالات میں سرخرو ہونا ہے تو ان دونوں محاذوں پر حکمت ودانائی اور استقامت کے ساتھ کام جاری رکھنا ہوگا، مکے کے نامساعد حالات میں محسن

انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے ان ہی خطوط پر کام کیا تھا اور خوف وڈر کے ماحول کو امن سے بدل ڈالا تھا۔ اگر وہ حالات کا رونا روکر گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جاتے تو پھر کبھی وہ رحمۃ للعالمین اور خیر امت کے مصداق نہ گردانے جاتے اور اخلاق وانسانیت کا موسم بہار نہیں آتا اور خوف و دہشت کے سایے میں جینے والی دنیا کو امن وسعادت کا جام نصیب نہیں ہوتا۔

لیکن افسوس کہ ہم نے ان روشن نقوش کو فراموش کر دیا ہے۔ حالانکہ دوسری قوموں نے آپ اور آپ کے پیارے اصحاب کے نقش پا کی پیروی میں زندگی کا سراغ پالیا۔ سچ کہا ہے۔

زمانہ بڑے غور سے سن رہا تھا
ہمیں سوگئے داستاں کہتے کہتے

بحیثیت انسان اور مسلمان ہماری ذمہ داری ہے کہ گھر اور فرد سے لے کر اقوام عالم تک کی ربانی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔ اسی میں امت کی خیریت و سعادت کا راز مضمر ہے۔ ’’كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ‘‘(آل عمران:۱۱۰) ’’تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو‘‘ میں اسی فریضے کی یاددہانی کرائی گئی ہے جسے ہمارے اسلاف، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ادا کر دیا تھا، دنیا کہ ہر ہر فرد کی رہنمائی اور دنیا وآخرت کی سرخروئی وکامیابی کی ذمہ داری ہمارے سر ہے۔ تا آنکہ ’’قد بلغت الرسالة واديت الامانة ونصحت الأمة وجاهدت فى الله حق جهاده‘‘ کے نوید جاں فزاں سے سرفراز ہو جائیں۔

لیکن اس سب سے بڑی اور اہم ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اپنے اندر ایمان وایقان کا چراغ روشن کریں، اپنے رویے کے اندر استقامت ومصابرت پیدا کریں اور ایمانی بصیرت کی روشنی میں معیاری وذمہ دار شہری بن کر دکھائیں۔ یہ ایسا کام اور عمل ہے جو وقت کی بڑی سے بڑی آہنی زنجیروں کو توڑ سکتا ہے کیوں کہ ایسے لوگوں کے اللہ کی مدد اور فرشتوں کی تائید شامل حال ہوتی ہے۔ ’’اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ‘‘۔ (حم السجدۃ:۳۰) ’’واقعی جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اسی پر قائم رہے ان کے پاس فرشتے یہ کہتے ہوئے آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو بلکہ اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ کئے گئے ہو‘‘۔

قائدین اور ذمہ داران وعہدیداران عوام کے حقوق کے سلسلے میں اللہ سے ڈریں، ان کا حق ادا کریں اور عنداللہ وعندالناس جوابدہی کا خیال رکھیں۔

اسی طرح عوام اپنے رہنماؤں اور سربرآوردہ لوگوں پر بھروسہ کریں اور اعتماد بحال رکھیں۔ اور اس سلسلے میں ادنیٰ شکوک وشبہات کو نہ درآنے دیں۔ آپ ان کے تئیں اپنی ذمہ داری نبھائیں اور ان سے اپنے تئیں خیر کی ہی توقع رکھیں۔ ہماری مسلم قوم اس حوالے سے بڑی لاپرواہ اور غیر ذمہ دار واقع ہوئی ہے۔ وہ بغیر سمجھے اور بلاتحقیق اپنے قائدین اور بڑوں کے اچھے کاموں کو بھی عیب جوئی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن ان کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کے حوالے سے تغافل کا انہیں ادنیٰ شعور واحساس تک نہیں ہوتا کہ ان کے عقل ودماغ سے کون کھلواڑ کررہا ہے۔ یہ شکوہ عام ہے کہ مسلمانوں میں لیڈرشپ نہیں ہے۔ اور قوم شتر بے مہار اور بے سمتی کا شکار ہے۔ لیکن لیڈرشپ کو بڑھنے اور پنپنے دینے کے سلسلے میں ہم نے کیا ذمہ داری نبھائی اس پر کبھی غور کرنے کا مرحلہ ہی نہیں آتا جو کہ بڑا لمحۂ فکریہ ہے۔

ہماری خصوصاً امت مسلمہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ اللہ جل شانہ کی طرف رجوع کریں اور اپنے اور اپنے آقا ومولیٰ ومہربان رب کے درمیان معاملات درست کریں۔ اس کو کثرت سے یاد کریں اور باب جناب باری تعالیٰ سے چمٹے رہیں۔ اس کے بندوں کے حقوق ادا کریں۔ اخوت ومحبت اور امن وآشتی کا علمبردار بنیں۔ تشدد اور دہشت گردی سے مکمل اجتناب کریں۔ مایوسی کو پاس بھٹکنے نہ دیں۔ صبر وصلوات اور صدقہ وخیرات سے اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کریں۔ کمزوروں، مظلوموں، غیروں اور اپنوں پر مہربانی کریں تاکہ رب کی رحمت کا سزاوار ٹھہریں۔ غیرتِ دینی وایمانی سے جہاں سرشار ہوں وہیں اشتعال انگیزی اور غیض وغضب میں بپھرنے سے مکمل پرہیز کریں۔ ظلم کرنے اور سہنے سے بچیں۔ حکام وعوام کی خیرخواہی کا کما حقہ حق ادا کریں۔ رشتہ داریوں کو جوڑیں اور دوستی وعداوت، ولاء وبراء صرف اللہ کی خاطر کریں، اپنی صفوں میں اتفاق واتحاد پیدا کریں۔ حکمت ودانائی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دعوت الی اللہ کا کام اسوۂ نبوی، سیر صحابہ وسلف کی روشنی میں انجام دیں۔ فتنہ وفساد اور نفاق وشقاق سے دور رہیں۔ پروپیگنڈے کرنے والے فاسق کا نہیں مومن کا کردار ادا کریں۔ اور ہر طرح کے منہیات اور مکروہات سے مکمل پرہیز کریں اور ’’كونوا عباد الله اخوانا‘‘ کی عملی تفسیر اس طرح بن جائیں کہ اللہ کی زمین پر اس کی خوشنودی اور اس کے بندوں اور مخلوقات کی بہتری اور اچھائی کے علاوہ کسی اور طرح کے عوامل کی کارفرمائی نہ ہو۔ ☆☆☆

سعادت ونحوست - کتاب وسنت کی روشنی میں

صفی احمد مدنی، حیدرآباد

انسان کی فطرت میں تمام اقسام کی نعمت کے حصول اور ان سے لطف اندوز ہونے کا جذبہ روز اول سے موجود ہے۔نعمتیں دوطرح کی ہیں۔ دنیوی نعمتیں اور اخروی نعمتیں۔مومن کے لیے دونوں نعمتیں اہم ہیں۔ان کے حصول کے لیے جدوجہد ،کدوکاوش کا حکم دیا گیا ہے۔قرآن کریم میں ایمان والوں کی دعایوں بیان کی گئی ہے۔ ’’رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّفِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار ‘‘ (البقرہ:۲۰۱)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اورہم کوآگ کےعذاب سے بچا۔

نعمتوں کے حصول کے لیے جدوجہد کے ساتھ سستی ونکمہ پن کی مذمت کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:’’احرص علی ما ینفعک ‘‘(مسلم)

ترجمہ۔ جو چیزتم کو فائدہ دیتی ہے اس کے حاصل کرنے کی بھر پور کوشش کرواور اللہ سے مدد طلب کرواور نکمہ نہ بنواور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے۔’’اللھم انی اعوذبک من العجز والکسل ‘‘(ترمذی)اے اللہ! میں بےبسی اور سستی سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

ایمان جس قدر طاقتور ہوتا ہے مومن کی توجہ اسی قدر اخروی نعمتوں کی طرف زیادہ ہوتی ہے۔وہ ان کے لیے تڑپتا ہے۔خوب کوشش کرتا ہے۔اللہ سے خوب لولگاتا ہے اوراس کے ساتھ ساتھ دنیوی نعمتوں کے حصول اور دنیوی نقصانات سے بچنے کی فکر بھی دامن گیر رہتی ہے اوراس کے لیے بھی کوشش جاری رہتی ہے۔ضروریات زندگی کے لیے خوب جدوجہد کرتا ہے، تاکہ کسی اورمخلوق کا محتاج نہ رہے اوراپنے اہل و عیال اور متعلقین کے حقوق کوادا کرسکے۔البتہ زیادہ سے زیادہ، خوب سے خوب تر کی دیوانہ وارکوشش نہیں رہتی ہے، جونعمتیں مل سکتی ہیں ان کے لیے کوشش کرتا ہے تاکہ ان کے ذریعہ دنیا میں عزت وقوت حاصل ہو اور ان کے ذریعہ آخرت کا توشہ زیاد ہوجائے اوراسلام کے رعب ودبدبہ وقوت میں اضافہ ہو۔لیکن اسباب دنیا کے حصول کے لیے دیوانہ نہیں ہوتا ہے اورنہ ان کے لیے حدودشریعت سے آگے بڑھتا ہے۔

اخروی کامیابی حاصل کرنے اور وہاں کے شر سے بچنے کے لیے سخت جدوجہد ضروری ہے اور یہ لازمی شرط ہے۔ارشادالٰہی ہے:’’وَمَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعۡيَهَا وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓـئِكَ كَانَ سَعۡيُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ‘(بنی اسرائیل:۱۹)اور جوآخرت کاارادہ کیااور جیسی کوشش اس کے لیے ہونی چاہئے وہ کرتا بھی ہواور وہ مومن بھی ہو پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی اللہ کے ہاں بھرپور قدردانی کی جائے گی۔

ایمان جس قدر کمزور ہوتا ہے۔اسی قدر اخروی کامیابی کی قدر واہمیت دل سے جاتی رہتی ہے اوراس کمزورایمان والے پرسستی ونکمہ پن طاری رہتا ہے۔اس کی زندگی بےمقصد زندگی ہوتی ہے۔دیکھادیکھی کچھ اعمال خیرانجام دیتا ہے۔نہ دل میں جوش،نہ اعمال میں چستی ومضبوطی،نہ مستقبل کی فکر، پھروہ بےجان مجسمہ کی جیسی زندگی بسر کرتا ہے اور رفتہ رفتہ دنیا پرستی کی طرف مائل ہوجاتا ہے اور دنیا کی لذات و خواہشات ورنگینیاں اس کامقصود بن کررہ جاتی ہیں۔

انسان کی دو قسم: مندرجہ بالا گفتگو سے واضح ہوا کہ انسان دوقسم کے ہیں۔دنیا کا طالب اورآخرت کا طالب۔دونوں کے ذہن وفکر میں انتہائی دوری ہے کہ دونوں کی زندگیاں بالکل الگ ہوجاتی ہیں۔ ان کی ذہنیت، اعمال، اقوال، حرکات،عزائم اورمنزل ومطلوب میں واضح فرق ہوجاتا ہے۔ادنی سی سمجھ بوجھ کا انسان بھی اس کومحسوس کرسکتا ہے۔

دنیا کا طالب دنیا کی لذات،عیش وآرام اورخواہشات کی تکمیل کواپنی منزل بنا لیتا ہے۔ان کا حاصل کرنا اس کی مرغوب چیز ومقصود ہوتی ہے۔اس کے اقوال،اعمال وحرکات سے دنیا کے لیے بےحد دلچسپی واضح ہوتی ہے۔اس لیے بیقرار رہتا ہے۔ اس کے نہ ملنے یا کم ہونے پر بوکھلاتا ہے۔قسمت کوکوستا ہے۔مخلوقات سے الجھتا ہے۔ اللہ عزوجل کوگالی دیتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے طالب دنیا کے متعلق فرمایا:’’تعس عبد الدینار وتعس عبدالدرھم، وتعس عبدالخمیصة تعس عبدالخمیلة أن أعطی رضی وان لم یعط سخط تعس وانتکس واذا شیک فلا انتقش ‘‘۔(البخاری) برباد ہوجائے دینار کا بندہ، ہلاک ہوجائے درہم کا بندہ، برباد ہوجائے ریشمی کپڑے کا بندہ، ہلاک ہوجائے چادر کا بندہ، وہ برباد ہوجائے اورسر کے بل گرجائے اور جب اس کوکانٹا چبھے تو نہ نکلے۔

طالب آخرت کی زندگی کا رنگ ڈھنگ جدا ہوتا ہے۔وہ آخرت کی کامیابی کے لیے تڑپتا ہے۔جہنم سے گھبراتا ہے۔جنت کا مشتاق ہوتا ہے۔رضائے الٰہی کا حصول اس کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے۔وہ دولت کماتا ہے۔شادی کرتا ہے۔کھاتا پیتا پہنتا

ہے۔ دنیا کی عزت، جاہ، مال، اولاد، بیوی وغیرہ کے حصول کے لیے جدو جہد کرتا ہے۔ یہ چیزیں اللہ سے مانگتا ہے اور اصرار کے ساتھ مانگتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی توجہ آخرت کی کامیابی کی طرف زیادہ ہوتی ہے۔ دنیا کا نقصان ہوتا ہے تو کچھ دیر کے لیے اس پر رنج وغم چھا جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے معاملہ کو اللہ کے حوالے کر کے تقدیر الٰہی پر راضی ہوتے ہوئے مقصد زندگی کے حصول میں لگ جاتا ہے۔ آخرت کو نقصان پہنچانے والا کام اس کو بے چین کر دیتا ہے۔ جب تک توبہ و کفارہ کے ذریعہ اس کا تدارک نہ کرے اس کو قرار نہیں آتا۔

الغرض وہ اپنی توانائیاں وصلاحیتیں ومواقع دنیا وآخرت کے فوائد کے حصول کے لیے لگا دیتا ہے۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اللہ کے دین میں دنیا وآخرت دونوں کی بھلائیوں کا حصول ممکن ومطلوب ہے۔ دین اسلام میں رہبانیت نہیں ہے البتہ فکر آخرت کا واضح غلبہ ہونا چاہئے وہاں کی کامیابی ہی کو اصل کامیابی جاننا چاہئے۔ باقی رہی دنیا تو آنی جانی ہے اور یہاں کی نعمتیں عارضی وفانی ہیں۔

طالب دنیا کی سعادت و نحوست: طالب دنیا کے نزدیک سعادت یہ ہے کہ اسباب دنیا خوب حاصل ہوں، مال، صحت، اقتدار، بیوی وشوہر، اولاد، کھانا پینا اور سیر وتفریح جس قدر میسر ہو طالب دنیا اسی قدر اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہے اور اپنے آپ پر ناز کرتا ہے۔ ایک طالب دنیا کا ذکر سورہ کہف میں ہے۔ ”وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا. وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا“ (۳۵-۳۶)

اور اپنے باغ میں داخل ہوا اور وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا۔ کہنے لگا کہ میں خیال نہیں کر سکتا کہ کسی وقت بھی یہ برباد ہو جائے گا اور نہ میں قیامت کو قائم ہونے والی خیال کرتا ہوں اور اگر بالفرض میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو یقیناً میں اس سے زیادہ بہتر پاؤں گا۔

دنیا کے بندہ کے نزدیک دنیا سے محرومی بڑی بدبختی ہے۔ جب وہ دنیا کی کسی چیز سے محروم ہو جاتا ہے تو بڑا رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اخروی زندگی پر اس کو یقین نہیں ہے۔ جو کچھ کرنا ہے یہیں کرنا ہے۔ وہ اسباب دنیا کو حاصل کرنے کے لیے تمام اخلاق، آداب، مروت اور شرافت کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ کسی انسانی واخلاقی اصول کے خاطر دنیا سے محرومی یا کمی اس کو گوارہ نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر نیک لوگوں حتی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو منحوس وبرا قرار دیتا ہے۔ ان کی تعلیمات کی وجہ سے اس کی یا اس کے اہل وعیال کی دنیا میں کچھ کمی واقع ہو رہی ہے۔ ایسے ہی کچھ لوگوں کا واقعہ سورہ یٰسین میں ہے۔ انہوں نے رسولوں سے کہا: ”قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ“

(۱۸) انہوں نے کہا: ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اگر تم تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم تم کو پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی۔

یونس علیہ السلام نے جب دعوت وتوحید وآخرت کا کام شروع کیا تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ اس دعوت کی وجہ سے تمہارا عیش وآرام کم ہو رہا ہے۔ وہ کہنے لگے۔ ”قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ“ (النمل: ۴۷) انہوں نے کہا کہ ہم تو تیری اور تیرے ساتھیوں کی بدشگونی لے رہے ہیں۔ (یعنی ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں)۔ آپ نے فرمایا: تمہاری بدشگونی اللہ کے پاس ہے۔ بلکہ تم فتنے میں پڑے ہوئے لوگ ہو۔

طالب دنیا کی محبت دنیا سے اس قدر شدید ہوتی ہے کہ کسی بھی سبب دنیا سے محرومی پر وہ مختلف قسم کے توہمات وبدگمانیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے فلاں جانور کے آڑے آنے یا آواز نکالنے یا فلاں شخص کے نظر آنے یا بولنے کی وجہ سے کام بگڑ گیا یا فلاں مہینہ یا دن منحوس ہے کیوں کہ وہ اس دن محروم ہوا وغیرہ۔ وہ بدفالی لینے لگتا ہے اور اس کا ذہن اس قدر کمزور ہو جاتا ہے کہ جانور بھی اس پر افسوس کریں۔

طالب آخرت کی سعادت ونحوست: طالب آخرت کی منزل ومقصود اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی ہوتی ہے۔ اسی کے لیے وہ سنجیدگی سے جدو جہد کرتا ہے۔ زندگی کے جو لمحات اور اللہ عزوجل کی عطا کردہ صلاحیتیں، قوتیں اور دولت اطاعت الٰہی میں گزر جائے وہی اس کی نیک بختی وخوش بختی وخوش نصیبی ہے۔ اس لیے محض عمر کی درازی اور مال کی کثرت کے بجائے عمر ومال میں برکت کی دعا کی تعلیم دی گئی ہے۔ وہ زندگی ومال بابرکت مقصود ہے جو اللہ کی بندگی اور اس کی اطاعت میں گزر جائے۔ عمر کے ایام اور مال کی مقدار تو اللہ تعالیٰ طرف سے مقدر ہے۔ ان میں نہ اضافہ ہو سکتا ہے اور نہ کمی۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دعا کی ”اللہ تو مجھے مستفید فرما میرے شوہر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور میرے باپ ابوسفیان سے اور میرے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہما سے“۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اللہ عزوجل سے مقرر مدتوں اور متعین ایام اور تقسیم شدہ رزق کو مانگا ہے۔ اللہ عزوجل ان میں سے کسی چیز کو ہرگز اس کے وقت سے پہلے نہیں کرے گا اور نہ اس کے وقت سے ہرگز دیر کرے گا۔ اگر تم اللہ سے کہتیں کہ وہ تم کو جہنم کے عذاب اور آگ کے عذاب سے نجات دے تو وہ تمہارے لیے بہترین ہوتا۔ (مسند احمد ۱/۳۹۰)

اصل سعادت نیکیوں میں اضافہ اور نافرمانیوں سے بچنا ہے۔ زندگی کے جو لمحات اطاعت الٰہی میں گزریں وہ مبارک ہیں جو مال نیکی میں خرچ ہوں وہ مبارک ہے، جو بیوی وشوہر اطاعت الٰہی میں مددگار رہو وہ مبارک ہے، اولاد نیک ہو وہ مبارک

ہے، جو مقام اور اس کے باشندے نیکیوں کا سبب ہوں وہ مبارک ہے۔ نیکی واطاعت الٰہی کا حصول ہی حقیقی سعادت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے خوش ہوتے تو اس کو برکت کی دعا دیتے اور خود اپنے لیے بھی برکت دعا دینے کی امت کو تلقین فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یوں دعا کرنے کا حکم دیا:

''**اللھم بارک علی محمد وعلی ا ل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انک حمید مجید**'' اے اللہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گھر والوں پر برکت نازل فرما جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام کے گھر والوں پر برکت نازل فرمائی ہے۔ یقیناً تو بزرگ اور قابل تعریف ہے۔''

طالب آخرت کے نزدیک اصل نحوست اللہ عز وجل کی نافرمانی کا ارتکاب ہے۔ زندگی کا جو لمحہ، مال کی جو مقدار اور جو صلاحیت اللہ کی نافرمانی میں استعمال ہو وہ منحوس ہے۔ اسی لیے اولاد و مال جیسی محبوب چیزوں کو فتنہ یعنی آزمائش قرار دیا گیا کیوں کہ وہ اطاعت ومعصیت دونوں میں استعمال ہوسکتی ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے: ''اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ'' (التغابن:۱۵) تمہارے مال اور اولاد تو محض آزمائش ہیں اور اللہ کے نزدیک زبردست اجر ہے۔

یعنی مال اور اولاد تم کو آزمانے کے لیے دیا گیا ہے۔ اگر تم ان کو اطاعت الٰہی میں لگاؤ گے تو آخرت میں زبردست اجر حاصل ہوگا اور اگر معصیت میں استعمال کروگے تو اس کی سزا پاؤ گے۔ مال واولاد دنیا میں انعام نہیں ہیں بلکہ آزمائش ہیں بلکہ بیوی وشوہر واولاد جیسی محبوب چیزوں کو دشمن کہا گیا۔ کیوں کہ اکثر انسان ان کی محبت میں غلو کرکے معصیت الٰہی کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ'' (التغابن:۱۴) اے ایمان والو! تمہارے بعض جوڑے اور بعض اولاد تمہارے دشمن ہیں پس ان سے چوکنا رہو۔

بیوی، شوہر، بیٹے اور بیٹی جیسے قریبی رشتہ داروں اور پیاروں کو دشمن کے لفظ سے کیا گیا تاکہ مومن ہوشیار رہے۔ ان کی صحبت اور لطف اندوزی میں حدود سے تجاوز کرکے اللہ کی نافرمانی کا مرتکب نہ ہوجائے جو اصل نحوست ہے۔

اصل نحوست وبدبختی: مندرجہ بالا سطور سے واضح ہوا کہ مومن کے نزدیک اطاعت الٰہی میں لگے رہنا سعادت ونیک بختی ہے اور پروردگار کی نافرمانی کا ارتکاب اصل نحوست و بدبختی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ دنیوی زندگی کے مختلف مراحل واوقات میں مشقتیں، پریشانیاں اور محرومیاں پیش آتی ہیں طالب آخرت ان کو کس نقطہ نظر سے دیکھتا ہے؟ طالب آخرت ہر قسم کی مشقت ومحرومی کو آزمائش سمجھتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اس دنیا میں ہر قسم کا عیش وآرام ممکن نہیں ہے۔ خوشی کے ساتھ غم اور آسانی کے ساتھ سختی زندگی میں داخل ہے۔ جب اس کو اس فانی دنیا کی کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے خواہ معمولی ہو یا غیر معمولی تو وہ الحمد للہ کہتا ہے۔ اس کے دل میں اللہ کے لیے شکرو محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، وہ زبان سے اللہ کے فضل کا اعتراف کرتا ہے اور عمل سے اس کی تصدیق کرتا ہے اور اگر اس کے برخلاف ہوا یعنی پریشانی، نقصان پہنچتا ہے تو وہ اپنے معاملہ کو اللہ کے حوالہ کردیتا ہے۔ رنج تو یقیناً ہوتا ہے لیکن دل میں صبر وتقدیر سے رضامندی ہوتی ہے اور زبان کو شکوہ وشکایت سے محفوظ رکھتا ہے۔ اللہ عز وجل نے ارشاد فرمایا: ''وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ . الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ . اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ'' (البقرہ:۱۵۵-۱۵۷) اور صبر کرنے والوں کو بشارت سناؤ، جنہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں بے شک ہم اللہ کے ہیں اور ہم یقیناً اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے سلامتی اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت والے ہیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**وان اصابک شئی قل قدر اللہ وما شاء فعل ولا تقل لو انی فعلت کذا لکان کذا فان لو تفتح عمل الشیطان**'' (مسلم)

اگر تمہیں تکلیف پہنچے تو کہو اللہ کی تقدیر ہے اور اس نے جو چاہا کیا۔ ایسا مت کہو کہ اگر میں ایسے کرتا تو ویسے ہوتا۔ کیوں کہ اگر مگر شیطان کے عمل کو کھول دیتا ہے۔ یعنی دل کو منفی جذبات سے بچاتے ہوئے تقدیر کا سہارا لینا کہ دنیا کی محرومی ومشقت عارضی ہے۔ اگر آخرت کی محرومی سے نجات مل جائے تو اصل چیز حاصل ہوگئی۔

توھمات و خرافات سے پرھیز: توہمات شیطانی وسوسے ہیں جو انسان کو گمراہی وشرک تک پہنچا دیتے ہیں۔ دنیا کا طالب دنیا سے بہت محبت رکھتا ہے اس لیے جب کسی چیز سے محروم ہوجاتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے کہ فلاں شخص کی وجہ سے میرا کام بگڑ گیا۔ فلان جانور کے آنے یا اس کے آواز کرنے کی وجہ سے مراد حاصل نہ ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ یہ بدفالی ہے اور ہر قسم کی بدفالی حرام ہے۔ بغیر دلیل کے محض وہم وگمان کی بنیاد پر کسی نافع یا ضار سمجھنا وہم ہے اور نفع و نقصان کا اصل مالک تو اللہ عز وجل ہے۔ اسی کے ہاتھ میں سارے اختیارات ہیں۔ وہ کسی کو نفع پہنچانا چاہے تو کوئی مخلوق اس کو محروم نہیں کرسکتی۔ اگر وہ نہ چاہے تو کس مخلوق کا دم ہے کہ اس کو فائدہ پہنچا سکے۔ اللہ ہی مسبب الاسباب ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔ جب دنیا میں غلو کی وجہ سے مشرکین گمان کرتے تھے کہ فلاں دن فلاں وقت یا فلاں شخص وغیرہ منحوس ہیں۔ اللہ سبحانہ نے ان کی تردید فرمائی۔ ارشاد ہوا: ''قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۭ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۭ عَلَيْهِ

یَتَوَکَّلُ الْمُتَوَکِّلُوْنَ ''(الزمر:۳۸) آپ ان سے کہیے کہ اچھا یہ بتاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں یا اللہ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا وہ اس کے مہربانی سے روک سکتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ اللہ مجھے کافی ہے۔توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔

دنیا پرستی سے توہم وبدفالی پیدا ہوتی ہے جو شرک کا بڑا ذریعہ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے توہم وبدفالی کی مذمت میں کئی احادیث مروی ہیں۔

''عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعا الطیرۃ شرک الطیرہ شرک وما منا الا ولکن اللہ یذھبہ بالتوکل''(ابوداؤد،ترمذی)

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ بدفالی لینا شرک ہے۔بد فالی لینا شرک ہے۔ہم میں سے ہر ایک کو اس طرح کے خیالات آتے ہیں لیکن اللہ عزو جل توکل کے ذریعہ اس کو دور کردیتا ہے''۔اس حدیث کو ابوداؤد وترمذی نے روایت کیا ہے۔امام ترمذی نے اس کو صحیح کہا اور آخری جملہ کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے۔

امام احمد بن حنبل نے مسند میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت کیا ہے کہ جس کو بدفالی نے اس کی حاجت سے روک دیا اس نے شرک کیا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب اس طرح کے خیالات پیدا ہوں تو یوں کہو:''اللھم لا خیر الا خیرک ولا طیر الا طیرک ولا الہ غیرک'' اے اللہ تیری بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں ہے اور تیری مشیت کے سوا کوئی مشیت نہیں ہے۔تیری سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں ہے۔

الغرض شریعت نے وہم پرستی کا خاتمہ کیا اور واضح کردیا کہ نفع ونقصان کا مالک اللہ ہے۔اللہ نے نفع ونقصان کے اسباب کو مقرر کیا ہے۔بغیر دلیل کے کسی کو نقصان دہ سمجھنا وہم ہے اور اس سے لو لگانا شرک ہے اور اصل تو یہ کہ دنیا وآخرت کی نعمتوں کو اللہ سے مانگے اور دنیا وآخرت کی مصیبتوں سے بچنے کے لیے اسی کی پناہ پکڑے۔دنیا کی نعمتیں ملیں تو الحمدللہ اور محروم ہوجائے تو اللہ کی مرضی اور اصل راحت وخوشی تو آخرت کی ہے۔اسی کے لیے کوشش وفکر ہونی چاہئے۔دنیا کی محرومی پر صبر کرنے والے کے لیے آخرت میں زبردست اجر ہے۔دنیوی آرام وعیش کے پیچھے بھاگنا اور ان کو مقصود ومطلوب بنالینا اور ان کے حصول کے لیے حرام وحلال کے درمیان تمیز نہ کرنا بے ایمانی ہے اور دنیوی محرومی پر بلبلانا اور اس کے غم میں دیوانہ ہوجانا کفار کی علامت ہے اور ایمان سے محرومی ہے۔

☆☆☆

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام

بارھواں آل انڈیا ریفریشر کورس

۵-۱۳/اکتوبر ۲۰۱۹ء بمطابق ۵-۱۳/صفر ۱۴۴۱ھ

بمقام: اہل حدیث کمپلیکس،ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دھلی

دعاۃ ومعلمین اور ائمہ کے لیے یہ خبر باعث مسرت ہوگی کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام گزشتہ سالوں کی طرح امسال بھی ''آل انڈیا ریفریشر کورس برائے ائمہ، دعاۃ ومعلمین'' کا انعقاد ہونے جارہا ہے۔جو مورخہ ۵/اکتوبر ۲۰۱۹ء سے شروع ہوکر ۱۳/اکتوبر ۲۰۱۹ء کو اختتام پذیر ہوگا۔ان شاء اللہ امید ہے کہ یہ دورہ تدریبیہ بھی گزشتہ سالوں کی طرح فوائد سے بھرپور ہوگا۔جماعت کے مشاہیر اہل علم وتحقیق اور دعاۃ ومربیین ودیگر عصری وقانونی ماہرین مشارکین کو اپنے علمی، تدریسی، دعوتی تجربات سے بہرہ ور فرمائیں گے۔

صوبائی جمعیات اہل حدیث کے امراء ونظماء سے اپیل ہے کہ وہ اپنے اپنے نمائندگان کے نام جلد از جلد ارسال کریں۔ہر صوبائی جمعیت سے دو نمائندگان مطلوب ہیں۔

نوٹ: دورہ تدریبیہ کا افتتاحی اجلاس ۵/اکتوبر ۲۰۱۹ء، سنیچر کو صبح دس بجے منعقد ہوگا۔جس میں تمام مشارکین دورہ تدریبیہ کی شرکت ضروری ہے۔

شعبہ تعلیم وتربیت: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

ماہ صفر اور اس کے آخری بدھ کی حقیقت

محمد ہارون خاں محمدی سلفی

اِنَّمَا النَّسِیٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِئُوْا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ (التوبہ:۳۷)

یقیناً نسی (مہینوں کا ہیر پھیر) کفر میں زیادتی ہے جس کی وجہ سے کافر لوگ اور زیادہ گمراہ کردیئے جاتے ہیں۔ایک سال جس مہینے کو حلال کرلیتے ہیں تو دوسرے سال اسی مہینے کو حرام کردیتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی گنتی پوری کرلیں (اور) پھر اللہ کے حرام کردہ مہینوں کو حلال کرلیں۔ان کے لئے ان کے برے اعمال کو زینت بخشی گئی (یعنی برے کام ان کو بھلے لگتے ہیں۔ثنائی) اور اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

نسی کیا ہے؟ نسی کہتے ہیں مہینوں کے ہیر پھیر کو یہ دو طرح کی ہوا کرتی تھی۔عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نسی (عرب میں اس طرح سے تھی کہ بنی کنانہ کا ایک شخص جنادہ کنانی (جس کی کنیت ابو ثمامہ تھی) ہر سال اس موسم میں آتا اور یہ اعلان کرتا کہ وہ اپنی قوم میں مقبول ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی عیب نہیں ہے۔اور کوئی اس کے کسی بھی حکم کو رد کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔(وہ پھر یہ اعلان کرتا ہے کہ) لوگو! سنو امسال صفر سال کا پہلا مہینہ ہے اور اس کو لوگوں کے لئے وہ حلال کردیا کرتا تھا تو اس طرح وہ صفر کو ایک سال حرام کرکے محرم کو حلال کردیا کرتا تھا اسی نسی کی مذمت بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اسے کفر میں زیادتی کا سبب قرار دیا (تفسیر ابن کثیر) اس طرح وہ مہینوں کے ہیر پھیر سے لوٹ مار،جنگ وجدل وغیرہ دنیاوی مفادات کو من کے مطابق کیا کرتے تھے۔

دوسری قسم نسی کی یہ ہوا کرتی تھی چونکہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے زمانے سے عربوں میں مہینوں کی گنتی خلقت ربانی کے مطابق قمری حساب سے چلی آرہی تھی اور قمری حساب سے ان کے مذکورہ مفادات دنیوی پورے نہیں ہوپاتے تھے لہٰذا ان سرکش عربوں نے مصالح ومفادات دنیوی کو ترجیح دے کر یہود ونصاری سے حساب کبیسہ سیکھ لیا جو شمسی سال کے حساب سے تھا تاکہ قمری وشمسی سال دونوں برابر ہوجائیں اور اس شمسی سال کے حساب سے کبیسہ کا ایک مہینہ بڑھادیا اور حج کا زمانہ بحساب شمسی متعین کردیا گیا تاکہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں آتا رہے اور وہ ان تکالیف سے بچ جائیں جو قمری (چاند کے) حساب سے مختلف موسموں میں حج کے گردش کرنے سے پیش آیا کرتی تھیں اس طرح چھتیس سال تک حج اپنے اصلی وقت کے خلاف دوسری مختلف تاریخوں میں آیا کرتا تھا چنانچہ جب آپ ﷺ نے حجۃ الوداع ادا فرمایا تو اس موقع پر حج اپنی اصلی تاریخ پر آچکا تھا تو آپ نے بیان فرمایا: الا ان الزمان قد استدار کهیئة الخ لوگو! سن لو، بے شک زمانہ (حج) گھوم گھام کر اپنے اصلی وقت پر آگیا ہے (اور یہ اصلی وقت اس دن سے ہے) جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان زمین کو پیدا فرمایا:

اور اس وقت سے لے کر اب تک اور ان شاء اللہ تا قیامت اپنی اصلی تاریخ پر آتا رہے گا۔جو عین مصالح شریعت ہیں اور عربوں کا مہینوں میں ہیر پھیر کرنا سراسر مصالح شریعت کے مخالف تھا جسے اللہ تعالیٰ نے ازدادِ کفر وگمراہی قرار دیا۔مسلمانوں نے گرچہ عربوں کی طرح ان مہینوں اور دوسرے مہینوں میں ہیر پھیر نہیں کیا ہے لیکن تقریباً بارہ مہینوں میں کچھ نہ کچھ خرافات وبدعات کو جنم ضرور دے دیا ہے جو نسی سے کسی قدر کم نہیں ہیں اور جو شریعت اسلامیہ (اسلام) کے سراسر خلاف ہیں جن کا ثبوت قرآن واحادیث میں کہیں نہیں ملتا اور نہ ہی صحابہؓ وتابعین وتبع تابعین وائمہ مجتہدین کی نیک ترین زندگیوں میں ہی ان شاء اللہ ان خرافات کا بیان ہم اگلے صفحات پر کریں گے۔اب ہم مختصراً صفر اور اس کی وجہ تسمیہ بیان کئے دیتے ہیں۔

ماہ صفر اور اس کی وجہ تسمیہ: صفر کے لغوی معنی خالی ہونے کے ہیں۔صفر اسلامی سال کے حساب سے دوسرا مہینہ ہے جو ماہ محرم کے بعد آتا ہے۔صفران، دو صفر ماہ محرم اور ماہ صفر،ان دونوں کو دور جاہلیت میں صفر کہا جاتا تھا یہ دونوں عربی اسلامی مہینے ہیں اسلام آنے کے بعد اس میں سے ایک کا نام محرم رکھا گیا اور دوسرے کو اپنی اصلی حالت پر بنام صفر باقی رکھا گیا۔(المنجد)

صفر کی وجہ تسمیہ: زمانہ جاہلیت میں عموماً اس ماہ صفر میں اہل عرب کے گھر خالی رہتے تھے۔بایں طور پر کہ وہ لوگ اس ماہ میں جنگ وجدل،قتل وغارت گری، لوٹ مار کے لئے سفر کیا کرتے تھے تو اسی پر عرب کہا کرتے تھے۔صفر المکان گھر خالی ہوگئے۔

اسی طرح ان کافروں اور مشرکوں کا یہ برا عقیدہ تھا کہ یہ مہینہ ماہ صفر منحوس ہے اور وہ اس ماہ کو خیر وبرکت سے خالی سمجھتے تھے اسی لئے وہ اپنے اپنے گھروں کو خالی کرکے سفر میں نکل جایا کرتے تھے۔

ماہ صفر احادیث کی روشنی میں: مذکورہ عقائد باطلہ تو ان لوگوں کے تھے جن کو ہم کفار مشرکین اور دشمنان اسلام کے نام سے یاد کرتے اور جانتے ہیں لیکن صد افسوس تو اپنے آپ کو مسلمان کہنے وکہلوانے والوں پر جو اپنے آپ کو اسلام کا علمبردار وٹھیکیدار سمجھتے ہیں اور صرف اپنے ہی آپ کو مسلمان کہنے کے

ساتھ ساتھ جنت کے اہل سمجھتے ہیں۔اپنے علاوہ کسی اور کو جنت کو ایک ٹکڑا بھی دینا جنت کی کسرشان سمجھتے نیز لذاتہ خطرۂ ایمان سمجھتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے جاں نثار قرآن وحدیث کے حامل وغیرہ وغیرہ صرف خود کو ہی سمجھتے ہیں۔ایسے نام نہاد مسلمانوں میں وہ سارے عقائد باطلہ وعقائد فاسدہ بلکہ ان سے بھی بڑھ کر وہ سارے عقائد جو کفار ومشرکین، یہود ونصاری، شیعہ، مجوس وہنود کے عین موافق، شریعت محمدیہ (قرآن وحدیث) کے عین مخالف ہیں ان مسلمانوں نے اختیار کرلیا جس طرح مشرکین عرب وکفار ماہ صفر کو منحوس سمجھتے تھے ویسے ہی مسلمان بھی اس ماہ صفر کو منحوس سمجھتے ہیں اس ماہ میں سفر کرنا، شادی بیاہ کی تقریب منعقد کرنا، کسی مریض کی عیادت کرنا اور اس ماہ کو بلا وبرائیوں کے رونما ہونے کا مہینہ سمجھنا، اس ماہ میں خوشی نہ منانا، کسی مسلمان کے گھر کوئی مرجائے تو پورا سال بھر یا عید تک اپنی یا اپنی بیٹی کی یا کسی اور کی شادی نہ کرنا اور اس میں شریک نہ ہونا۔اور خصوصاً ماہ صفر کی تیرہ تاریخ تک زیادہ منحوس سمجھ کر اس ماہ مبارک کو تیرہ تیزی کا نام دینا اور اپنے من کے مطابق اپنے عقائد باطلہ کی رو سے اس ماہ کو منحوس سمجھ کر اس کی نحوست کو دور کرنے کے لئے چنے کی گھونگھنیاں اُبال کر کھانا اور تقسیم کرنا کروانا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اس طرح کھانا تقسیم کرنا کرانا کارخیر وباعث اجروثواب ہے اور ساتھ ہی یہ عقیدہ رکھنا کہ گھونگھنیاں کھانے کھلانے سے نحوست دور اور بے برکتی ختم ہوجاتی ہے اور ایسے بہت سے عقائد ہیں کہ اگر زمانہ جاہلیت کے کفار ومشرکین یہود ونصاری ودیگر غیر مسلموں اور موجودہ مسلمانوں کا موازانہ Compare کیا جائے تو یقیناً آپ پر یہ بات عیاں ہوجائے گی کہ موجودہ مسلمانوں کے عقائد ان کفار ومشرکین ودیگر اس سے بھی گئے گذرے اور بدتر ہیں جن کو ختم کرنے اور مٹانے کے لئے ہمارے نبی آخرالزماں ختم المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تھے چنانچہ آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

بد شگونی وبد فالی ناجائز وشرک ہے: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: الطيرة شرك (رواه احمد واصحاب السنن) دوسری حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر اخرجاه وزاد مسلم ولا نوء ولا غول البخاري ومسلم وابوداؤد.

چھوت چھات (ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جانا) بدفالی (کسی چیز کو منحوس سمجھنا یا پرندوں کے یا ہرن وغیرہ کے دائیں بائیں جانب سے گذرنے سے بدشگونی (براشک کرنا) ہامہ (الو یعنی لوگوں کا یہ عقیدہ رکھنا کہ الو ایک پرندہ ہے اگر کسی کے گھر پر بیٹھ جائے تو اس گھر کے کسی فرد کی موت کا پیغام لاتا ہے یعنی کسی فرد کی موت ہوجاتی ہے) اور صفر کے مہینے کو منحوس سمجھنا (اس طرح کے یہ سارے عقائد رکھنا) یہ کوئی چیز نہیں ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے (اور اس طرح کا عقیدہ رکھنا ناجائز وحرام ہے) یہ روایت بخاری ومسلم دونوں میں موجود ہے اور امام مسلم نے اتنے الفاظ اور زیادہ روایت کئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا اور پچھتر (یعنی لوگوں کا یہ عقیدہ رکھنا کہ فلاں ستارے اور فلاں تارے کے سبب بارش ہوتی ہے یہ بھی ناجائز وشرک ہے) اور بھوت پریت کوئی چیز نہیں ہے (یعنی یہ ساری چیزیں لغو وبے کار ہیں اور اس طرح کے عقائد رکھنا ناجائز وحرام ہیں)

عن معاوية بن الحكم السلمي قال قلت يا رسول الله الخ

حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کچھ لوگ کاہنوں (نجومی، جاننے والے، ہاتھ دیکھ کر تقدیر، قسمت بتانے والے) کے پاس آتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ کاہنوں کے پاس مت جایا کرو۔معاویہؓ نے فرمایا کہ یہ (فال، بدشگونی وہم، شکوک وشبہات) ایک ایسی چیز ہے جس کو بعض لوگ اپنے جی میں محسوس کرتے ہیں۔مگر اسکی وجہ سے کوئی کام کرنے سے تمہیں ہرگز باز نہیں آنا چاہیے (کسی کام کے کرنے سے رک نہیں جانا چاہیے) جب رسول اللہ ﷺ کا فرمان وارشاد یہ ہیکہ جس کام کا کوئی شخص عزم مصمم (پختہ ارادہ) کرلے تو اس کام کو بدفالی (بدشگونی) کے سبب کرنے سے باز نہیں آنا چاہیے (رک جانا نہیں چاہیے تب رات اور دن میں سے کسی بھی چیز کو منحوس سمجھنا کیا معنی رکھتا ہے؟ ہاں البتہ جمعرات، سنیچر اور پیر کے دن سفر کرنا مستحب ہے اس کا یہ مطلب نہیں نکالا جاسکتا ہے کہ باقی دنوں میں سفر کرنا منع ہے۔مگر جمعہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ اگر سفر کے سبب نماز جمعہ فوت ہونے کا ڈر ہو تو اس دن جمعہ سے پہلے سفر کرنے سے کچھ علماء منع کرتے ہیں اور بعض علماء کرام جائز بتلاتے ہیں لیکن کاروبار اور جماع ووطی (بیوی سے ہمبستری) تو کبھی بھی اور کسی وقت بھی کسی رات اور دن میں کبھی بھی مکروہ وممنوع (منع) نہیں ہے۔واللہ اعلم

آخری بدھ اور اس کی مخصوص بدعات: ماہ صفر کو لوگ منحوس سمجھ کر اس میں سفر کرنے سے باز رہتے ہیں، خوشی وشادمانی کی محفلیں نہیں رچاتے لیکن جب مہینہ ختم ہونے کو آتا ہے تو اس کے آخری بدھ کو چھٹیاں مناتے ہیں، کاروبار بند کردیتے ہیں اسکولوں میں چھٹی دیدی جاتی ہے محفلیں منعقد کی جاتی ہیں قسم قسم کے کھانے پکائے جاتے ہیں قسم قسم کی مٹھائیاں بناتے اور خریدتے ہیں پھل ومیوے کھاتے ہیں دعوتیں کی جاتی ہیں مخصوص کھانے وحلوے کھائے کھلائے جاتے ہیں۔غرضیکہ عیدین کی طرح خوشیاں منائی جاتی ہیں۔اور عورتیں عیدین سے بھی زیادہ بنتی اور سنورتی ہیں خوشیاں مناتی ہیں پھر لوگ مرد وعورتیں باہم یا جدا جدا سیر وتفریح کے لئے سبز گھاسوں پر چلتے پھرتے، دوڑتے بھاگتے رہتے ہیں اس طرح کی بدعات وخرافات انجام دینے وکرنے والے مسلمان برادران کا یہ تصور وخام خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ بیمار پڑے تھے تو اسی آخری بدھ کے دن اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفا دی تھی (آپ ﷺ صحت یاب ہوگئے تھے) شفا پانے کے بعد آپ ﷺ نے بہترین وعمدہ قسم کا کھانا وحلوہ کھایا تھا اور سیر وتفریح کے لئے شہر سے باہر تشریف لے گئے تھے لہٰذا ان کا کہنا ہے کہ اس لئے ہم خوشیاں مناتے، عمدہ کھانا وحلوے کھاتے

کھلاتے ہیں اور سیر وتفریح کرنے کے لئے گاؤں وشہر سے باہر جاتے ہیں لیکن یہ ان لوگوں کے بے جا وغلط تصورات وخیالات ہیں حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

آخری بدھ ابتداء یا انتہاء مرض النبی ﷺ حقیقت کے آئینے میں: ماہ صفر کے آخری بدھ کو خوشیاں منانے والے کہتے ہیں کہ اس آخری بدھ کو آپ ﷺ شفاء یاب ہوئے تھے اور شہر کے باہر تفریح کے لئے تشریف لے گئے تھے اور عمدہ قسم کے کھانے نوش فرمائے تھے وغیرہ۔ لیکن یہ ساری باتیں من گھڑت قصے، لغو وباطل وبے کار تصورات وتخیلات ہیں جنہیں شیطان نے مسلمانوں کے دل ودماغ میں رچا بسا کر ہم مسلمانوں کے ہی ہاتھوں ہم مسلمانوں کے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑوایا ہے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ جس جس مقام پر ہمارے نبی ﷺ وہمارے مذہب کا مذاق اڑانے کے لئے شیطان نے یہود ونصاری اسلام دشمن قوم کو استعمال کیا ہے۔ ان میں سے ایک مقام یہ بھی ہے۔ اور مسلمان ہیں کہ بغیر سوچے، سمجھے، بغیر جانے بوجھے اس رسم بد کو ادا کرکے اپنے اسلام کو داغدار وبدنام اور اپنے اعمال کو برباد کررہے ہیں جب ہم اس ماہ صفر کے آخری بدھ کی حقیقت اور اس بدھ میں آپ ﷺ کے مرض کی ابتداء یا انتہاء کی حقیقت کو سیرت کی کتابوں میں تلاش کرتے ہیں تو حقیقت ہمارے سامنے کھل کر آجاتی ہے اور پھر مسلمان برادران کے عادات واطوار پر سوائے ماتم کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا۔ حقیقت یہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ کی کتابیں ہم پر اس بات کا انکشاف کرتی ہیں کہ آج بھولے بھالے مسلمان جس ماہ صفر کے آخری بدھ کو رسول اللہ ﷺ کے مرض کی انتہاء (مرض سے شفاء) مان کر خوشیاں مناتے ہیں بلکہ اس دن آپ ﷺ بیمار ہوئے تھے اب ایسے دن جس دن آپ بیمار ہوئے اس دن ہم خوشیاں منائیں تو اب ہم مسلمان باقی رہے یا نہیں اور یہ کہ ہم دشمن نبی کہلائیں گے یا محبّ نبی ﷺ، نتیجہ خود اخذ کرسکتے ہیں اسی طرح ہم سیر کی کتابوں کے دوسرے رخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں وہ کتابیں یہ حقیقت فراہم کرتی ہیں کہ ماہ صفر کا آخری بدھ نہ ابتداء مرض النبی ﷺ ہے۔ نہ ہی انتہاء مرض النبی ﷺ یعنی نہ آپ کی اس آخری بدھ کو بیمار ہوئے نہ ہی شفایاب ہوئے بلکہ آپ ﷺ کے مرض کی ابتداء یا انتہا کا دن وتاریخ کوئی اور دن وتاریخ ہے ماہ صفر کا آخری بدھ نہیں۔

ہم بطور شواہد سیرۃ النبی ﷺ کے متعلق دو مستند ومقبول عام کتابوں کے حوالے پیش کرتے ہیں جن سے روز روشن کی طرح عیاں وظاہر ہوجائے گا کہ ماہ صفر کے آخری بدھ کی کیا حقیقت ہے اور اسی طرح آپ ﷺ ماہ صفر کے آخری بدھ کو بیمار پڑے تھے یا شفاء پائے تھے یا اس کے علاوہ کسی اور دن میں آپ ﷺ ان میں سے ہر دو سے ہمکنار ہوئے تھے۔ آیئے ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کے مرض کا آغاز: (سیرت نگاری کے عالمی مقابلہ میں اول انعام ومقام حاصل کرنے والی کتاب ''الرحیق المختوم'' سے **۲۹**/صفر ۱۱ھ روز دوشنبہ (پیر، سوموار) کو رسول اللہ ﷺ ایک جنازے میں بقیع تشریف لے گئے، واپسی پر راستے ہی میں دردسر شروع ہوگیا اور حرارت اتنی تیز ہوگئی کہ سر پر بندھی ہوئی پٹی کے اوپر سے محسوس کی جانے لگی یہ آپ ﷺ کے مرض الموت کا آغاز تھا آپ ﷺ نے اسی حالت مرض میں گیارہ دن نماز پڑھائی مرض کی کل مدت ۱۳ یا ۱۴ دن تھی۔

وفات سے پانچ دن پہلے: وفات سے پانچ دن پہلے روز چہارشنبہ (بدھ) کو جسم کی حرارت میں مزید شدت آگئی۔ جس کی وجہ سے تکلیف بھی بڑھ گئی اور غشی (بیہوشی) طاری ہوگئی آپ ﷺ نے فرمایا مجھ پر مختلف کنوؤں کے سات مشکیزے بہاؤ تاکہ میں لوگوں کے پاس جاکر وصیت کرسکوں اس کی تکمیل کرتے ہوئے آپ ﷺ کو ایک میں لگن بٹھادیا گیا اور آپ ﷺ کے اوپر اتنا پانی ڈالا گیا کہ آپ ﷺ بس، بس کہنے لگے۔

اس وقت آپ ﷺ نے کچھ تخفیف محسوس کی اور مسجد میں تشریف لے گئے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی منبر پر فروکش ہوئے اور خطبہ دیا صحابہ کرام گرداگرد جمع تھے۔ فرمایا یہود ونصاری پر اللہ کی لعنت کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا ایک روایت میں ہے کہ یہود ونصاری پر اللہ کی مار کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا (صحیح بخاری ۱/۶۲ مؤطا امام مالک ص ۳۶۰) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے (مؤطا امام مالک ص ۶۵) الرحیق المختوم ص ۷۲۶، ۷۲۷ مؤلف مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، ناشر المجلس العلمی علی گڈھ)

دوسری شہادت مایہ ناز وشہرت یافتہ کتاب ''رحمۃ للعالمین'' سے: آغاز مرض: ۲۹/صفر روز دوشنبہ (پیر، سوموار تھا نبی ﷺ ایک جنازے سے واپس آرہے تھے راہ ہی میں دردسر شروع ہوگیا پھر تپ شدید لاحق ہوئی۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جو رومال حضور ﷺ نے سر مبارک پر باندھ رکھا تھا میں نے اس میں ہاتھ لگایا سینک آتا تھا بدن ایسا گرم تھا کہ میرے ہاتھ کو برداشت نہ ہوتی، میں نے تعجب کیا، فرمایا انبیاء سے بڑھ کر کسی کو تکلیف نہیں ہوتی اس لئے ان کا اجر سب سے بڑھا ہوا (زیادہ) ہے۔ بیماری میں ۱۱/یوم تک مسجد میں آکر خود نماز پڑھاتے رہے بیماری کے سب دن ۱۳ یا ۱۴/ تھے۔

پانچ یوم قبل از رحلت: چہارشنبہ (بدھ کا دن) تھا کہ نبی ﷺ نے مخضب (پتھر کا تغار یا تانبے کا ٹب) میں بیٹھ کر سات کنوؤں کی سات مشکوں کا پانی سر پر ڈلوایا۔ اس تدبیر سے کچھ سکون ہوا۔ طبیعت ہلکی معلوم ہوئی تو نورا فروز مسجد ہوئے (فرمایا) تم سے پہلے ایک قوم ہوئی ہے جو انبیاء وصلحاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنائی تھی تم ایسا نہ کرنا (فرمایا ان یہودیوں، ان نصرانیوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے۔ جنہوں نے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنایا (صحیحین بخاری مسلم) عن عروہ عن عائشہؓ فرمایا کہ اے اللہ! میرے بعد میری قبر کو ایسا نہ بنادیجیو کہ اس کی پرستش ہوا کرے فرمایا اس قوم پر اللہ کا سخت غضب ہے جس نے قبور انبیاء کو مساجد بنایا دیکھو میں تمہیں اس سے منع کرتا رہا ہوں دیکھو میں تبلیغ کرچکا ہوں، الٰہی تو اس کا گواہ رہنا۔ الٰہی تو اسکا گواہ رہنا۔ (رحمۃ للعالمین ص ۲۴۶، ۲۴۷ مؤلف مولانا قاضی سلیمان منصور پوری) اس طرح کی اور بہت سی سیرت وتواریخ کی کتابیں ہیں جو حقیقت کا انکشاف (وضاحت) کرتی ہیں۔

انکشاف حقیقت وحصول مقصد: ہم سمجھتے ہیں کہ آپ نے ان دوشہادتوں کو پڑھ کر کچھ نہ کچھ نتیجہ توضرور اخذ کیا ہوگا، ہم مزید انکشاف حقیقت (حقیقت کوواضح کرنے) اور شہادتوں کو بیان کرکے حصول مقصد کے لئے چند نکات آپ لوگوں کی نذرنظر کرتے ہیں امید کہ آپ اسے قبول فرمائیں گے۔ایک یہ کہ آپ پڑھ آئے ہیں کہ لوگ جس ماہ صفر کے آخری بدھ کو محض اس تصور سے کہ آپ ﷺ بیماری سے شفایاب ہوئے تھے خوشیاں مناتے ودیگر رسومات ادا کرتے ہیں (جن کا تذکرہ پیچھے ہوچکا) تو یہ سراسر غلط تصور ہے کیونکہ جس آخری بدھ میں خوشیاں منائی جاتی ہیں اس میں آپ ﷺ مرض سے شفاء نہیں پائے تھے بلکہ مرض میں مبتلا ہوئے تھے مسلمانوں ذرا سوچواور غور کروکہ تم یہ کیا کررہے ہو۔کیا تم اپنے نبی ﷺ کے شفا پانے کی خوشی منارہے ہو؟ یا مرض میں مبتلا ہونے کی؟ یا کسی کے مرنے کی خوشی سوائے دشمن کے کون مناسکتا ہے؟ اب تم ہی غور کروکہ تم اس طرح رسم بدانجام دے کر نبی کے دشمن ہوئے یا محبوب محبتی اور پھر اپنے نبی کے مرض کی خوشی مناکرتم مسلمان باقی بھی رہے، یا نہیں- اللہ کے رسول کا دشمن ،ایمان والا مسلمان ہرگز نہیں ہوسکتا، توتم یہ کام مسلمان کہلا کے کرتے ہو۔افسوس کی بات ہے اور یہی کام دوسرا کرے تو کافر مشرک، دشمن نبی واسلام کہلائے اور وہی کام تم کروتو تم مسلمان ہی کہلاؤ یہ کہاں کا انصاف ہے۔

اوراگر کوئی مذکورہ بالا شہادتوں کی رو سے یہ دعویٰ کرے کہ ماہ صفر کا آخری بدھ نہ یوم ابتداء مرض نبی ہے نہ ہی مرض سے یوم شفایابی تب تو ہم اس مدعی کو بخوبی سمجھا سکتے ہیں کہ جب دونوں نہیں تو پھر اس دن یہ ساری خرافات کیوں؟

کیونکہ آپ ﷺ ،ان سیرت کی کتابوں کے مطابق ۲۹ رصفر دوشنبہ (پیر، سوموار کے دن) کو آپ کے مرض الموت کا آغاز ہوا تھا آخری بدھ کو نہیں بلکہ آخری بدھ گذر چکا تھا اور اگلا بدھ آنے سے پہلے ہی ماہ صفر اختتام پذیر (ختم) ہو چکا تھا۔اس طرح من گھڑت، غلط تصورات وخیالات کا پردہ فاش ہوجاتا ہے۔ رہا سوال یہ کہ آپ وفات سے پانچ روز قبل جسم کی حرارت کی شدت میں مبتلا ہوئے اور وہ دن چہارشنبہ (بدھ) کا دن تھا۔ یاد رہے کہ ہمارے برادران اس بدھ سے دھوکہ نہ کھائیں کیونکہ یہ بدھ ماہ صفر کا آخری بدھ نہیں تھا۔جیسا کہ آپ نے سیرت کی کتابوں کے حوالے سے ملاحظہ فرمالیا ہے۔ بلکہ یہ ماہ ربیع الاول (جس کی ۹یا۱۲ تاریخ کو آپ نے دارفانی سے کوچ فرمایا) کا پہلا یا دوسرا بدھ تھا اور آپ نے اس دن شدت حرارت کی وجہ سے اپنے بدن پر پانی بہانے کا حکم فرمایا جس کی تعمیل کی گئی۔ جس سے آپ کو کچھ تخفیف (ہلکائی) محسوس ہوئی۔اس کے بعد آپ ﷺ کہیں سیروتفریح کے لئے نہیں گئے۔ بلکہ آپ مسجد تشریف لے گئے اور منبر پر فروکش ہوکر صحابہ کو مواعظ حسنہ سے نوازا۔کسی بھی صحیح روایت میں یہ ثبوت فراہم نہیں ہوتا کہ آپ طبیعت میں افاقہ محسوس فرمانے کے بعد کہیں سیروتفریح کے لئے گئے ہوں یا آپ نے عمدہ سے عمدہ قسم کے کھانے مٹھائیاں وغیرہ تناول فرمائے ہوں اور صحابہؓ میں دعوتوں کے دور چلے ہوں بلکہ یہ سب قصے بے کار اباطیل واکاذیب ہیں اس سے صرف لوگوں کو دھوکہ دینا ہے اور اپنے ایمان کوخراب کرنا ہے۔اگر کوئی شخص اس ماہ ربیع الاول کے پہلے یا دوسرے بدھ کو ہی یہ رسومات ادا کرنا چاہے۔تب بھی اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اگر اس بدھ کو آپ نے اپنی طبیعت میں تخفیف محسوس کی بھی تھی تو اس روز آپ کے جسم کی حرارت شدت بھی پکڑی تھی۔اگر خوشی مناتا ہے تو مصیبت،غمی مناتا تو آفت۔آخر ان دونوں میں کیا کرے گا جبکہ دونوں چیزیں اس دن وجود پذیر ہوئی تھیں اور نہ ہی شریعت ان ساری چیزوں کی کوئی اجازت دیتی ہے۔اگر ان رسومات کو ادا کرنے والے مسلمان ان تمام حقائق کی موجودگی میں جس طرح بھی گنجائش نکالنا چاہیں تو نہیں نکال سکتے کیونکہ ہرطرف سے کوئی نہ کوئی مصیبت کھڑی ہوجاتی ہے۔

مسلمانو!تم ہی سوچو اور غور کروکہ کیا تم اپنے ماں، باپ، بھائی، بہن یا کسی بھی رشتہ دار کے مرض میں مبتلا ہونے کی خوشی مناؤ گے؟ اچھے اچھے کھانوں کا اہتمام کروگے؟ وہ تمہارے گھروں میں نزاع کی حالت میں ہوں اور تم سیروتفریح کے لئے جاؤ گے؟ ہرگز نہیں ۔ جب تم ادنی سے انسان کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرسکتے تو پھر اپنے پیارے نبی افضل البشر امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہوئے تمہیں کیسا لگتا ہے۔مسلمان بھائیو!لوگوں کے من گھڑت واقعات میں پڑکر اپنے آپ کو، اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔تم تو یہ سارے کام محبت نبی میں کرتے ہو۔لیکن تمہارے ہاتھوں صرف نبی کی دشمنی آتی ہے۔اورتمہارے ایمان خراب ہوتے ہیں اور ہو رہے ہیں یہ سارے کام توان صحابہؓ نے بھی نہیں کیا جن کو آپ ﷺ سے حد درجہ محبت تھی اور وہ آپ ﷺ سے ایک پل کے لئے بھی جدا ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ جب ایسے جاں نثاروں نے نہیں کیا، نہ ہی ان کے بعد تابعین نے کیا، نہ ہی ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ،امام مالکؒ،امام شافعیؒ،امام احمد بن حنبلؒ نے کیا۔ بلکہ ان کے بہت بعد کی چیزیں ہیں اور یہ محض یہودونصاری اسلام کے دشمنوں کی سازشیں ہیں جو مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے مذہب اسلام اور ان کے نبی کی بے حرمتی، بے عزتی وخلاف ورزی کرانا چاہتے ہیں ہم مسلمانوں کو ایسے اسلام کے دشمنوں کے پھندے میں نہیں پھنسنا چاہیے اور ان ساری بدعات خرافات رسم ورواج کو نہیں کرنا چاہیے ان سے بچتے رہنا چاہیے۔

ماہ صفر کے آخری بدھ کے متعلق مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی کا فتوی: ماہ صفر کے آخری بدھ کے متعلق مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ سے ایک سوال کیا گیا جس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

الجواب: آخری چہارشنبہ (ماہ صفر کے آخری بدھ) کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن صحت یابی رسول ﷺ کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی اس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے۔(احکام شریعت حصہ دوم ۱۹۳ نوری کتب خانہ لاہور)

☆☆☆

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

ارکان اسلام کی اہمیت وضرورت

محمد ثناء اللہ عمری ایم اے عثمانیہ

خیر سے پڑھے لکھے لوگ بھی اپنی جگہ یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ انسانی آزادی، عالمی برادری اور سماجی برابری کے دنیا میں جو چرچے ہیں ان کا سب سے پہلا سبق پہلی بار ۱۷۸۹ء کے انقلاب فرانس نے دیا تھا۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ انقلاب فرانس سے پورے ساڑھے گیارہ سو سال پہلے سب سے پہلے اسلام نے دنیا کو یہ سبق پڑھایا تھا، انقلاب فرانس کے علم برداروں نے تو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ان تعلیمات کو اپنا اصول قرار دے لیا تھا۔ عظیم عیسائی مورخ ایڈورڈ گبن اس حقیقت کا اعتراف کر چکا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام نے اپنے پانچ ارکان کے ذریعہ جو اسکی عمارت کے بنیادی ستون ہیں، عالم انسانیت کو وہ سب کچھ عطا کیا جس کی اسے ضرورت تھی، ضرورت رہے گی اور جس کے بغیر اس کے امن وسلامتی اور بقاء واستحکام کو ایک دائمی خطرہ ہے۔

ان ارکان کی اہمیت وضرورت اس لحاظ سے بہت زیادہ ہے کہ وہ محض مجرد نظریے نہیں ہیں، جن کی افادیت خیالی ہوتی ہے، بلکہ ٹھوس، مرئی اور عملی اصول ہیں جن کی ان کے ماننے والوں کی زندگی میں ہر قدم پر، ہر لمحہ پوری حکمرانی رہتی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ اصول ہمیشہ برتے جاتے ہیں۔ ان کی اہمیت اور ضرورت کا راز یہی ہے۔

اسلام نے دنیا کو وحدتِ آدم کا عقیدہ دیا یا یوں کہیے کہ اس بھولے بسرے عقیدے کی یاد دہانی کرائی ہے، ذات پات، رنگ ونسل اور مقام ووطن کے سارے امتیازات کالعدم قرار دیئے ہیں اور ساری انسانیت کی مساوات کی بنیاد فراہم کردی ہے، چنانچہ اس نے اس منشور کا اعلان دوٹوک الفاظ میں اس طرح کیا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔ (حجرات:۱۳)

اس آیت سے تین اصولی باتیں تو معلوم ہوگئیں۔

۱۔ سارے انسان اگلے پچھلے، گورے کالے، امیر اور غریب، مختلف زبانیں، بولنے والے مختلف ملکوں میں بسنے والے، دراصل آدم اور حوا کی اولاد ہیں ایک ہی کنبہ کے افراد اور ارکان ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث بھی ہے۔ اللھم انی اشھد ان العباد کلھم اخوۃ: بارالٰہا! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سارے بندے بھائی بند ہیں۔

۲- انسانوں کی مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم باہمی تعارف اور پہچان کے لئے ہے، ترفع اور برتری کے لئے نہیں ہے۔ جیسا کہ دنیا نے سمجھا ہے اور یہ صورت حال اس لئے بڑے مصائب کا باعث ہوئی ہے۔

۳- ''اشرف المخلوقات'' چاہے کچھ بھی سمجھ لے اور کرگزرے، مگر سارے جہاں کے خالق کی نظر میں بڑا اور بزرگ کوئی گورا، کوئی بادشاہ، کوئی آریا، کوئی جرمن، کوئی سنسکرت بولنے والا نہیں، یہ سارے نسلی، منصبی، معاشرتی جغرافیائی اور لسانی امتیازات محض ڈھکوسلے ہیں۔ انسان کے خود ساختہ ہیں مخصوص اغراض ومفادات پر مبنی ہیں، خالق کونین کی نظر میں بزرگ وبرتر وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ شعار اور پرہیزگار ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اس حقیقت کا اعادہ حجۃ الوداع کے مبارک موقع پر دیئے ہوئے تاریخی خطبے میں ان الفاظ میں فرمادیا ہے، ''کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر، کسی کالے کو کسی گورے پر تقویٰ اور پرہیزگاری کے سوا کسی بنیاد پر کوئی تفوق اور بڑائی حاصل نہیں''۔

اب سوال یہ ہے کہ تقویٰ کیا چیز ہے جس کی بنیاد پر اولادِ آدم کو خالق کائنات کی نظر میں برتری اور بزرگی حاصل ہوتی ہے؟ تقویٰ کے دو معنی ہیں ڈرنا اور بچنا، کس کا ڈر اور کس سے بچاؤ؟ بھوت پریت اور شیطان وجن کا ڈر؟ نہیں خدائے واحد کا ڈر جو ہمارا خالق اور پروردگار ہے اور ساری کائنات کا مدبر ہے۔ بچاؤ کس سے؟ مذکورہ بالا خود ساختہ خداؤں کی ناخوشی سے؟ نمرودوں اور فرعونوں کی ناراضی سے؟ نہیں اللہ کے نواہی سے، اس کے قرار دادہ منکرات وفواحش سے، اس کے غضب اور عذاب سے۔ ''وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ'' (سورہ توبہ:۱۸)

اس تمہید نے ہمیں اسلام کے سب سے پہلے اصول تک پہنچادیا۔ وحدت آدم کے معتقدوں کو وحدتِ الٰہ کے عقیدے تک پہنچادیا جو شریعت کی اصطلاح میں وحدانیت یا توحید کہلاتا ہے۔ بالفاظ دیگر ایک باپ کی اولاد کو ایک اللہ کے حضور لاکھڑا کردیا جو اس باپ اور اس کی نسل کا خالق اور پالنہار ہے۔

توحید، اسلام کی عمارت کا سب سے پہلا اور اہم ستون ہے۔ یعنی اللہ ایک ہے۔ وہی سارے جہانوں کا خالق، مالک، مدبر اور پروردگار ہے، ان ہمہ گیر صفتوں اور طاقتوں میں کوئی دیوی دیوتا، کوئی فرشتہ یا شیطان، کوئی پیر ومرشد، کوئی بادشاہ یا وزیر اس کے شریک وسہیم نہیں۔ ساری کائنات کا وہی خالق اور رب ہے تو اسی کو ایک اکیلا

معبود ومسجود بھی ہونا چاہیے۔

اسلام نے انسانیت کو اور انسانیت کے ایمان ویقین کو تقسیم اور منتشر کرنے والے ''جتنے کنکر اتنے شنکر'' کے عقیدے کے ساتھ دوئی اور تثلیث کے عقائد کی بھی نفی کردی۔ انہیں باطل قرار دے دیا۔ انسانیت جوان باطل عقائد کے بوجھ کے تلے دبی کراہ رہی تھی، ان سے اسے خلاصی دے دی۔ معبودان باطل کی بندگی اور غلامی کی بوجھل بیڑیاں کاٹ کر رکھ دیں اور اسے سچی اور مکمل آزادی عطا کی۔ قرآن مجید کی اس آیت کا یہی تو مطلب ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الاعراف:١٥٧)

جو رسول کی پیروی کریں گے کہ نبی امی ہوگا۔ اور اس کے ظہور کی خبر اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھی پائیں گے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا برائی سے روکے گا۔ پسندیدہ چیزیں حلال کرے گا، گندی چیزیں حرام ٹھہرائے گا، اس بوجھ سے نجات دلائے گا جس کے تلے دبے ہوں گے، ان پھندوں سے نکالے گا جن میں گرفتار ہوں گے۔ تو جو لوگ اس پر ایمان لائے، اس کے مخالفوں کے لئے روک ہوئے (راہ حق میں) اس کی مدد کی اور اس روشنی کے پیچھے ہو لئے جو اس کے ساتھ بھیجی گئی ہے۔ سو وہی ہیں جو کامیابی پانے والے ہیں۔

آیت کے خط کشیدہ جملے مکرر سہ کرر پڑھئے اور غیر جانبدار ہوکر پوری دیانت کے ساتھ ٹھنڈے دل سے غور کیجئے تو اس دعوے کی صداقت اور اس منشور آزادی کی عملی صورت آپ کو تاریخ کے صفحات پر ایک کھلی حقیقت کی طرح نظر آئے گی، سلطنت وامارت، نسلی تفاخر اور خاندانی تفوق کے علاوہ جاندار اور بے جان بے شمار بت تھے جو طوعاً وکرہاً پوجے جاتے تھے، اور دنیا کے ہر خطے میں اس پوجا پاٹ اور اس غلامی کی بیڑیوں اور ہتھکڑیوں سے انسان کی زندگی ایک عذاب بن کر رہ گئی تھی، ایسے میں اشرف المخلوقات کی آزادی اور پاکیزہ اور باعزت زندگی کا اصولی اعلان سب سے پہلے انقلاب فرانس نے نہیں۔ پیغمبر اسلام محمد ﷺ نے فرمایا تھا۔

صرف اعلان ہی پر بس نہیں کیا بلکہ عام دعوت بھی دی کہ دنیا والو! ان تمام طاقتوں اور جھوٹے خداؤں سے منہ موڑ لو جن کی غلامی اور بندگی نے تمہاری انسانیت پر بٹہ لگایا ہے اور اس خدائے واحد کے پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو جاؤ جس پر ایمان سارے مذاہب کا قدر مشترک رہا ہے مگر اسے تم نے فراموش کر دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

(اے پیغمبر) تم (یہود ونصاری سے) کہہ دو کہ اے اہل کتاب (اختلاف ونزاع کی ساری باتیں چھوڑ دو) اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے لئے یکساں طور پر مسلم ہیں، یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، کسی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں، ہم میں سے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے، گویا خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنا لیا ہے۔ (آل عمران:٦٤)

یہاں خطاب اہل کتاب سے ہے جنہوں نے توحید کی اصلیت گم کردی تھی۔ اور تثلیث اور شرک کے گورکھ دھندوں میں پھنس گئے تھے، انہیں دعوت دی ہے کہ تم اپنے اپنے پیغمبروں کی دی ہوئی دعوتِ توحید کی طرف لوٹ آؤ، اسی عقیدے کا قیام اور اس کی بحالی اسلامی دعوت کا مقصود ہے۔ قرآن تمہیں کوئی نئی بات نہیں سناتا، تم سے کوئی انوکھی بات منوانی نہیں چاہتا، وہ خود تمہاری متاع گم گشتہ تمہیں لوٹا دینا چاہتا ہے، تمہارے پیغمبروں کی تعلیم کا فراموش کردہ اولین سبق تمہارے دل ودماغ میں اتار دینا اور تمہیں رومی اور یونانی خرافات کی دلدل سے بچانا چاہتا ہے۔ تم اس صداقت سے کیوں بدک رہے ہو جو تمہارے اپنے آسمانی نوشتوں کی بنیاد ہے؟

بعض ہندو فاضلوں نے لکھا ہے اور مولانا ابوالکلام آزادؒ جیسے عبقری کی زبانی بھی اس کی تصدیق ہوگئی ہے کہ ہندو دھرم کی بنیاد بھی توحید ہی پر قائم تھی، بعد کے پنڈتوں اور پروہتوں نے یہ سوچ کر کہ عوام اور ان پڑھ لوگ ان دیکھے خدا کا تصور نہیں کرسکتے اور عبادت میں انہماک اور توجہ کے ارتکاز کے لئے ایک محسوس اور مرئی صورت کی ضرورت ہے۔ مندروں میں بت لا رکھے۔

ہمارا خیال ہے کہ بات درست ہی ہوگی، اس لئے کہ قرآن پاک نے جابجا صراحت کی ہے کہ ہر قوم کی طرف ایک رہبر اور رہنما بھیجا گیا تھا۔ ایسے ہادی کی دعوت کی اساس توحید ہی ہوسکتی ہے۔ اور توحید ہی رہی بھی ہوگی۔ مگر مرور ایام سے بات کچھ سے کچھ ہوگئی۔ پانچ چھ صدیوں کے اندر باہر عیسائی تثلیث کے قائل ہوگئے اور ایک ہزار برس کے اندر مسلمان اولیاء اللہ کے مزاروں پر سر پھوڑنے لگے ہیں تو ہزاروں برس پرانے ہندو دھرم میں توحید سے جتنی دوری ہوئی ہوگی اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

اس جملۂ معترضہ سے مقصود یہ عرض کرنا ہے کہ قرآن نے کلمۂ توحید کی طرف لوٹ آنے کی جو دعوت اہل کتاب کو دی ہے اس کا اطلاق اور انطباق ہندو دھرم کے پیروؤں پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اس کی بھی اصل واساس توحید ہی تھی۔ اس طرح قرآن کے خطاب اور دعوت کا دائرہ صحیح معنوں میں عالمگیر ہوگیا۔ ع

سلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

اسلام نے انسانیت کی حریت، اخوت اور مساوات کے اعلان ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان اصولوں کو نرے نظریہ کی سطح سے بلند کرکے انہیں اسلامی زندگی کا جزو لاینفک بنانے کا معقول انتظام بھی کیا اور ایسے فرائض عائد کئے جن پر عمل درآمد عملی طور پر

ان اصولوں کے چلتے پھرتے اور جیتے جاگتے نمونے دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے۔

اس سلسلہ کی سب سے پہلی چیز نماز ہے، اس عبادت کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ یہ تحفۂ معراج ہے، یہ زمین پر نہیں، آسمانوں پر فرض ہوئی تھی، جو ہر مسلمان پر آٹھ پہروں میں پانچ وقت فرض ہے، جو مسجد میں مقررہ اوقات میں، اجتماعی صورت میں، امام کی تابعیت میں ادا کی جاتی ہے۔ اس ایک عبادت میں کتنی برکتیں سمیٹ دی گئی ہیں۔ اس سے تعلق باللہ قائم ہوتا، اللہ کے حاضر وناظر ہونے کا یقین تازہ رہتا، وقت کی پابندی کی عادت پڑتی، جماعتی زندگی کا سبق ملتا، اتحاد واتفاق کی روح پیدا ہوتی، باہمی غمخواری اور ہمدردی کے مواقع ملتے اور مساوات ادنیٰ واعلیٰ کا احساس زندہ رہتا ہے، شہنشاہ وقت کو بھی ایک فقیر بےنوا کی معیت اور تابعیت میں سارے جہانوں کے شہنشاہ کے دربار میں ایک بندۂ خدا ہوکر حاضر ہونے کا احساس دلانے والی یہ نماز ہے۔ دیگر مذاہب میں رائج عبادت کے طریقے مساوات انسانی کا مظہر ہونے کی حیثیت سے نماز کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اقبالؒ نے شاعری نہیں کی تھی بلکہ ایک نا قابل انکار حقیقت کا اظہار کیا تھا جب یہ شعر کہے تھے۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ روہوکے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اورنہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیرے دربار میں پہنچے توسبھی ایک ہوئے

یادرہے کہ عالمگیر مساوات کا یہ منظر میدان جنگ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ حالتِ امن میں بھی دہرایا جاتا ہے اس کی روح نماز کے اندر ہی نہیں، نماز سے باہر بھی کارفرما رہتی ہے، یا رہنی چاہیے۔

اس پنجوقتہ عبادت کے بعد دوسرا نمبر روزے کا ہے جو سال بھر میں چاند کے نویں مہینے رمضان المبارک میں رکھا جاتا ہے۔ جو ہجرت کے دوسرے برس مدینہ منورہ میں فرض ہوا تھا۔ آگے بڑھنے سے پہلے ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔

زمانہ ہوا ایک انگریز لکچرر نے ایک کتابچہ میں لکھ مارا تھا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں لوگ زیادہ تر مفلس ومفلوک الحال تھے۔ فاقہ کشی کی زندگی تھی، اس لئے کرتے کیا؟ روزے رکھ لیا کرتے تھے۔ اس بدبخت نے یہ بھی لکھ مارا تھا کہ خوشحالی کی حالت میں روزہ ووزہ کچھ نہیں۔

اس نادان کتابچہ نویس کو یا دتو حقیقتِ حال کا علم نہیں۔ یا اس نے جانتے بوجھتے غلط بیانی سے کام لیا۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ روزہ ایک فریضہ ہے، حکم خداوندی ہے۔ اسلام کا تیسرا رکن ہے، دوسرے یہ کہ بلاشبہ مکی زندگی جس سے اسلام کا آغاز ہوا۔ تنگ حالی اور فاقہ کشی سے عبارت تھی، مگر روزہ مکہ مکرمہ میں نہیں ۲ھ میں مدینہ منورہ میں فرض ہوا تھا جہاں اسلام کے پیرووں کی زندگی فی الجملہ خوش حالی کی زندگی تھی، جس میں وہ ہماری طرح سیر ہوکر یا حیدرآباد دکن کے محاورے کے مطابق تیسرے حکم تک کھاتے پیتے نہیں رہے ہوں گے، مگر وہ جسے قوت لا یموت اور سدرمق کہتے ہیں وہ انہیں مل جایا کرتا تھا، روزہ اسی حالت میں فرض ہوا۔ اس طرح وہ مجبوری کا سودا نہیں تھا کہ پیغمبری وقت پڑا ہے اس لئے بھوکے پیاسے رہو، بلکہ نسبتاً خوش حالی کی آزمائش تھی کہ کھانے پینے کو کچھ نہ کچھ ہے، تاہم اس سے رکے رہو، پھر روزہ صحیح معنوں میں بھوکا پیاسا رہنے کا نام نہیں۔ تمام برائیوں اور بعض جائز چیزوں سے بھی دور رہنا اس کی تعریف میں داخل ہے۔ یعنی روزے کا تعلق خلومعدہ کے ساتھ دل کے تقویٰ سے بھی ہے۔ پھر روزہ غریبوں کے ساتھ امیروں پر بھی فرض ہے۔ نماز کی طرح یہاں بھی پوری طرح امیر وغریب کی مساوات ہے روزہ رکھ کر ایک غریب آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اسلام کی رو سے وہ کسی امیر سے کم نہیں اور امیر یہ جانتا ہے کہ وہ کسی غریب سے بڑا نہیں۔ اللہ کی نظر میں دونوں برابر ہیں، یہ نفسیاتی مساوات ہوئی۔

پھر روزے کے اس افادی پہلو سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ایک خوش حال شخص روزہ رکھ کر عملی اور تجرباتی حیثیت سے جان سکتا ہے کہ بھوک پیاس کے کیا معنی ہیں، غریب اور نادار لوگ گذر بسر کیوں کر کرتے ہوں گے۔ اس سے اس کے دل میں ان لوگوں کے واسطے ہمدردی اور غمخواری پیدا ہوگی، سب کچھ رکھتے ہوئے مگر اس سے رکتے ہوئے اس کے اندر بدحالوں کے ساتھ حسن سلوک کا جذبہ جنم لے گا چنانچہ ماہ صیام کو رسول اللہ ﷺ نے شهر الصبر وشهر المواساة فرمایا ہے۔ کیا روزہ اسلامی اخوت اور مساوات کی عملی مشق نہیں؟ ایسی کوئی ہمہ گیر اور اجتماعی مشق جو مہینہ بھر کے لئے ہو کسی مذہب میں موجود ہے؟

نماز اور روزے سے اسلامی سوسائٹی میں نفسیاتی اور معاشرتی مساوات قائم ہوتی ہے تو اسلام کے نظام زکوٰۃ سے مالی مساوات قائم ہوتی ہے، یا اقلاً یہ ہوتا ہے کہ اس سے اقتصادی مسئلہ کے حل کی ایک صورت پیدا ہوتی ہے۔ اسلام نے ایک طرف دولت کے ارتکاز اور اکتناز کو روکا ہے:

كَیۡ لَا یَكُوۡنَ دُوۡلَةًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡكُمۡ تاکہ وہ (مال) تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش کرتا نہ رہے۔ (حشر:۷)

دولت کے احتکار اور اکتناز پر کیسی سخت وعید ہے جو قرآن نے سنائی ہے:

وَالَّذِيۡنَ يَكۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ وَالۡفِضَّةَ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَهَا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكۡوٰى بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ

تکْنِزُوْن (التوبہ:۳۴۔۳۵)

اور جولوگ سونا چاندی اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔ عذاب دردناک کا وہ دن جبکہ (ان کا جمع کیا ہوا) سونے چاندی کا ڈھیر دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کے ماتھے، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی۔ (اوراس وقت کہا جائے گا) یہ ہے جوتم نے اپنے لئے ذخیرہ کیا تھا سوجوکچھ ذخیرہ کر کے جمع کرتے رہے اس کا مزہ آج چکھ لو۔

زکوۃ کے مصرف کا بیان اس حدیث میں کیسے جامع طریقہ سے آ گیا ہے تـوخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم یعنی زکوۃ مسلمان امراء سے وصول کی جاتی اورانہی کے غرباء میں تقسیم کردی جاتی ہے۔

زکوۃ کے مصارف کی ایک جامع اور ہمہ گیر فہرست وہ ہے جوخود قرآن نے فراہم کردی ہے، زکوۃ کا صحیح نظم قائم ہوجائے اوراس نظم کے تحت اس کے سارے حقداروں کو ان کا حق مل جائے تو حقیقت یہ ہے کہ معاشرے کا کوئی طبقہ اس کے فیضان سے محروم نہ رہے، اس سے اسلامی اخوت، ہمدردی اور غمخواری کا کیسا ٹھوس ثبوت ملے گا۔ اب ایک نظر مصارف زکوۃ پر بھی ڈال لیجئے۔ جوقرآن نے بیان کردیئے ہیں اور بتایئے کہ کون سی مدرہ گئی ہے اور کونسا طبقہ چھوٹ گیا ہے؟ سورہ توبہ میں ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ (التوبہ:۶۰)

صدقہ کا مال(یعنی مال زکوۃ) تو اور کسی کے لئے نہیں ہے، صرف فقیروں کے لئے ہے، اور مسکینوں کے لئے ہے۔ اوران کے لئے جو اس کی وصولی کے کام پر مقرر کئے جائیں اور وہ کہ ان کے دلوں میں (کلمہ حق کی) الفت پیدا کرتی ہے، اور وہ کہ ان کی گردنیں (غلامی کی زنجیروں میں) جکڑی ہیں (اورانہیں آزاد کرنا ہے) نیز قرضداروں کے لئے (جوقرض کے بوجھ سے دب گئے ہوں اور ادا کرنے کی طاقت نہ رکھیں) اور اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کے لئے اوران تمام کاموں کے لئے جومثل جہاد کے اعلاء کلمہ حق کے لئے ہوں) اور مسافروں کے لئے (جواپنے گھر نہ پہنچ سکتے ہوں اور مفلسی کی حالت میں پڑ گئے ہوں) یہ اللہ کی طرف سے ٹھہرائی ہوئی بات ہے اوراللہ (سب کچھ) جاننے والا (اپنے تمام حکموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

آیت کے ترجمہ کو پیش نظر رکھ کر ایک بار پھر غور کیجئے اور دیکھئے کہ انسانی ضرورتوں کا کوئی گوشہ اس جامع تقسیم کی حدوں سے باہر ہے، کیا اس سے انسانی بھائی چارے کے سارے تقاضے پورے نہیں ہوجاتے،، کیا سامان معیشت کی فراہمی کے نظام کا اس سے بہتر کوئی تصور کیا جاسکتا ہے۔(۱)

یہاں یہ اعتراض کوئی وزن نہیں رکھتا کہ اسلام نے غرباء کو امراء کے رحم وکرم پر چھوڑا ہے۔ اس لئے کہ زکوۃ از روئے شرع بیت المال میں جمع ہوگی اور سرکاری اہتمام میں تقسیم ہوگی۔ گویا فلاحی ریاست اپنی ضرورت مند رعایا کی بہبود کا انتظام کررہی ہے۔ اس لئے شخصی غیرت کو ٹھیس نہیں لگتی جس کا اندیشہ زکوۃ کی نجی تقسیم میں بہرحال موجود رہتا ہے اجتماعی اور سرکاری نظم سے اکرام آدم کی مصلحت بھی پوری ہوگئی۔

اسی طرح یہ اعتراض بھی بے محل ہے کہ اسلام نے امیر اور غریب کے فرق کو برقرار رکھا ہے، اس لئے کہ یہاں افتاد طبع، صلاحیت اور حالات کا اختلاف برابر کام کررہا ہے۔ جو ایک فطری صورت حال ہے اسی طرح جس طرح کوئی ذہین ہوتا ہے، کوئی غبی، کوئی فعال ہوتا ہے، کوئی کاہل، کوئی دوراندیش ہوتا ہے، کوئی کوتاہ اندیش، ان ذاتی اور طبعی رجحانات اور میلانات کا اثر جیسے انسان کی عقلی اور علمی زندگی پر پڑتا ہے ویسے ہی اس کی معاشرتی اور معاشی زندگی پر بھی پڑتا ہے، اس حقیقت سے انکار فطرت کے تقاضوں سے انکار ہوگا جوممکن ہے سلسلے قسم کے نعروں کے کام آجائے لیکن حقائق کی دنیا میں کسی کام کا نہیں۔ ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

ملک اور علاقہ کی سطح کی بات کو رہنے دیجئے، مثال کے طور پر کسی خاندان ہی کا تصور کیجئے جس کے دوچار افراد نے اپنے باپ سے برابر کا ورثہ پایا ہو۔ رتی بھر کی کمی بیشی بھی ان کے حصوں بخروں میں نہیں ہوئی ہو۔ اس حالت پر کچھ زمانہ بیت گیا ہو، پھر دیکھئے ان بھائیوں کی دولت اور اثاثے میں کتنا اور کیسا فرق ہوگیا۔ کاہل الوجود جہاں تھا وہیں رہ گیا ہے۔ بری عادتوں اور لتوں والے نے ساری جائیداد اکارت کردی، مہماتی اور چوکنے شخص نے اپنی دولت بڑھالی۔ دنیا آئے دن ایسے مناظر پیش کرتی ہی رہتی ہے جوانسان کی رنگا رنگ فطرت کے عکاس ہیں، اس لئے اسلام نے دولت کی مساویانہ تقسیم کا انتظام کیا ہوتا تو یہ ایک غیر فطری عمل ہوتا اور ناکام رہتا۔ اسی لئے اسلام نے یہ کیا کہ ہر انسان کے لئے کسب وعمل کا اصول مقرر کردیا تھا۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَ اَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ثُمَّ یُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی (النجم:۳۹۔۴۱)

اس سلسلہ میں بڑے بلند بانگ دعوؤں اور نعروں کے ساتھ سوشلزم اور کمیونزم کے جوتجربے چھوٹے بڑے ملکوں میں ہوئے ہیں، کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ وہ سب کے سب دم توڑ چکے اور ناکام ہوچکے ہیں؟ مثل مشہور ہے، اونچی دکان پھیکا پکوان، یہی حال ان ''انقلابی تجربات'' کا بھی ہوا جو دنیا کے سامنے ہے۔ ضرورت آنکھ اٹھا کر دیکھنے اور غور کرنے کی ہے، کیا ان تحریکوں نے کسی بھی معنی میں دنیا کو حریت، اخوت اور مساوات سے روشناس کیا؟ روس کی آہنی دیوار گرگئی ہے، اس کے گرنے سے پہلے ہی دنیا معلوم کرچکی تھی کہ زار روس کی سلطنت کے ملبے پر جوڈھانچہ بنا ہے وہ اسی سلطنت کا

شئی ہے، کمیونزم معاشی میدان میں ناکام ہو چکا تھا۔ اسی لئے اس کی سیاسی حیثیت بھی ختم ہوگئی۔ یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہوا جس کی نشان دہی ہم کرتے آئے ہیں۔ یعنی اشتراکی نظام انسان کی طبعی افتاد کے خلاف ہے۔ ماہرین عمرانیات جو بھی کہہ لیں۔ مگر آدمی بنیادی طور پر انفرادیت پسند واقع ہوا ہے۔ وہ نظریۂ اجتماعیت یا اشتراکیت کی ایک خاص ناگزیر حد تک ہی ساتھ دے سکتا ہے، اپنی ہستی کو پوری طرح سماج میں اس حد تک گم نہیں کر دے سکتا جس حد تک سوشلزم وغیرہ تقاضا کرتے ہیں۔

جہاں تک کمیونزم کے دوسرے مرکز چین کا تعلق ہے، وہاں بھی ہمیں اس نظام کی کامیابی اور معاشرتی مسائل میں اس کے مفید مقصد ہونے کی نہیں، اس کے برعکس دوسری ہی نوعیت کی خبریں مل رہی ہیں۔ صورت حال کی وضاحت کے لئے آہنی پردے کے گرنے کا انتظار کرنا چاہیے۔

پردہ ہٹنے کی منتظر ہے نگاہ

اسلام پر سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی حمایت کا الزام بھی سراسر بے بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی کچھ باتیں اوپر آ چکیں، اور تفصیل کا یہ موقع نہیں، صرف ایک بات کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے۔

عالمی سرمایہ داری کی ایک بنیاد سود در سود ہے اور اقتصادی زندگی کا یہ وہ سبق ہے جو دنیا نے غالباً یہودی ساہوکاروں سے لیا ہے جو شیلا کی ذہنیت کا عکاس ہے، اسلام نے اس پر پابندی عائد کر کے غریبوں کو مہاجنوں کے معاشی استحصال سے نجات دلانے کا بندوبست کیا ہے۔ مسئلہ کے اس پہلو پر بڑے غور وخوض کی ضرورت ہے۔

وحدتِ آدم اور وحدتِ الٰہ کا آٹھوں پہر کا عقیدہ، ایک ہی وقت، ایک ہی جگہ، ایک ہی امام کی تابعیت میں روزانہ پانچ پانچ بار نماز کی اجتماعی ادائیگی، مال میں ایک مرتبہ رمضان بھر کے امیر وغریب کے روزے اور سالانہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ فریضۂ حج کی انجام دہی ان سب کی بنیاد تقویٰ قرار دے کر اسلام نے ساری انسانیت کی حریت، اخوت اور مساوات کا بھرپور اور معقول انتظام کر دیا ہے ایک مسلمان کے انفرادی عقائد واعمال کو بین الاقوامی شکل دیدی ہے اور عالمی بھائی چارہ اور برابری کا بے نظیر منظر پیر فلک کو دکھا دیا ہے۔

حج ایک خاص وقت میں ہوتا ہے۔ مختلف مقامات پر مناسک حج ادا کرنے کو اللہ کی یہ مخلوق جو لکھوکھا تعداد میں ہوتی ہے۔ بیک وقت پہنچتی ہے اور اس حالت میں پہنچتی ہے کہ سب کی لو خدائے واحد ہی کی طرف لگی ہوئی ہے، سب کی زبانوں پر اسی ایک کا ترانہ حمد وتوحید ہے، سب کے جسموں پر احرام کا فقیرانہ لباس ہے، حالانکہ ان میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی، بادشاہ بھی ہیں اور وزیر بھی، امیر بھی ہیں اور غریب بھی (۲) کالے بھی ہیں اور گورے بھی۔ آقا بھی ہیں اور غلام بھی، بڑے بھی ہیں اور بچے بھی، اس حالت اور اس ہیئت میں کیا فریضۂ حج سب سے بڑا بین الاقوامی اجتماع نہیں ہے؟ کیا اس سے ساری انسانیت کی روح اخوت ومساوات پیدا نہیں ہوتی اور پروان نہیں چڑھتی؟ انسان کی خود ساختہ تفریقوں اور امتیازوں کی دیواریں دھڑام سے گر نہیں جاتیں؟ کیا ایسا منظر اخوت ومساوات دنیا کا کوئی دوسرا مذہب پیش کر سکتا ہے؟ (۳)

(۱) حج اگرچہ غریبوں اور بچوں پر فرض نہیں ہے، اس کے لئے مالی حیثیت اور بلوغت ضروری ہے۔ مگر عملاً ہر قسم اور ہر عمر کے لوگ حج کر ہی لیتے ہیں۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء

عالمی حریت، اخوت اور مساوات کا قیام اسلام کا ایک عظیم کارنامہ ہے جو انہی ارکان خمسہ کی برکت سے ایک واقعہ بن کر تاریخ عالم میں ثبت ہے، ایک عرب ہی پر کیا موقوف ہے۔ عرب سے باہر ایشیا کے بقیہ ملکوں، یوروپ اور افریقہ کے براعظموں میں جہاں بھی اسلام پہنچا ہے وہاں اس کی برکتیں پھیلیں اور اب بھی پھیلتی جا رہی ہیں۔

جب تک اس الٰہی پیام کے اصول دنیا میں عملا برتے نہیں جائیں گے اس وقت تک اس کے مصائب اور مسائل کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔

اکبر الہ آبادی مرحوم کے اس شعر میں جو استفہام ہے اس کا جواب یہی ہے۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا!

حواشی

(۱) زکوٰۃ تو ایک رکن اسلام ہے، فرض اور فریضہ ہے، قرآن نے اس کی بار بار تاکید کی ہے اور تقریباً ہر جگہ فریضۂ نماز کے معاً بعد اس حکم کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ جانے کتنے مقامات پر مختلف ناموں اور عنوانوں سے عام انفاق کا بھی حکم دیا ہے اور ایسے ہر مقام پر معاشرے کے پسماندہ طبقات کی اعانت اور خبر گیری کی ترغیب دلائی ہے اس کے ساتھ فے، غنیمت اور مختلف قسم کے کفاروں کی مدوں میں بھی قرابتداروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں کے نام لئے ہیں اور ان کے حصے نکالے ہیں، ان تمام مقامات کے یکجائی مطالعہ سے اسلام کی فلاحی ریاست کا جو نقشہ سامنے آتا ہے وہ پس اپنی نظیر آپ ہے۔

(۲) حج اگرچہ غریبوں اور بچوں پر فرض نہیں ہے، اس کے لیے مالی حیثیت اور بلوغت ضروری ہے۔ مگر عملاً ہر قسم اور ہر عمر کے لوگ حج کر ہی لیتے یں۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ (سورہ جمعہ: ٤)

(۳) جبلہ ابہم غسانی کا واقعہ تاریخ مساوات اسلامی کا مشہور واقعہ ہے جبلہ اتنی سی بات پر کہ اس کی چادر دوران طواف ایک بدو کے پیر تلے آ گئی تھی آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے تھپڑ رسید کی، بدو نے بھی برابر کا جواب دیا۔ حضرت عمرؓ نے کہ خلیفہ وقت تھے بدو کی تصویب فرمائی اور جبلہ کے مرتد ہو جانے کی پرواہ نہیں کی۔

☆☆☆

قرض کے احکام ومسائل

ابوعدنان سعید الرحمٰن نور العین سنابلی
المرکز الاسلامی الثقافی الہندی للترجمة والتالیف، نئی دہلی
Mob. 8285162681

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو معاشرت پسند بنایا ہے۔ انسان سماج ومعاشرہ میں رہتے ہوئے اپنی زندگی میں معاشرتی زندگی کے بے پناہ اثرات وبرکات کا ہمہ وقت مشاہدہ کرتا ہے۔ معاشرتی زندگی کا سب سے اہم اور قابل ذکر فائدہ یہ ہے کہ سماج ومعاشرہ میں بسنے والے افراد سکھ دکھ میں ایک دوسرے کے کام آتے ہیں، جب کسی کو دوسرے کی تعاون کی ضرورت درپیش ہوتی ہے تو اس کے لئے مختلف اطراف سے دست تعاون اٹھتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ نے معاشرتی زندگی کا جو تصور پیش کیا ہے اس کا سب سے روشن پہلو یہی ہے کہ اس میں کوئی بھی انسان بھوک اور پیاس سے نہیں مرسکتا ہے بلکہ ہر شخص کو اس کی ضرورت کے موقع پر دوسرے افراد تعاون کے لئے مل سکتے ہیں بلکہ اس کے ہمسایوں اور پڑوسیوں پر ضروری قرار پاتا ہے کہ اس کی ضرورت کی تکمیل کے لئے تگ ودو کریں اور اس کی مصیبت کے خاتمہ اور سدباب کے لئے کاوشیں کریں۔ زیر نظر مضمون ''قرض کے احکام ومسائل'' کا تعلق بھی ہماری معاشرتی زندگی سے ہی ہے۔ زندگی کے مختلف مرحلے میں متعدد بار ایسے موقعے آتے ہیں جبکہ ہم حالات کے ستم کا شکار بن جاتے ہیں اور ہمارے پاس دوسروں کے سہارے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں کچھ لوگ کاسۂ گدائی تھام لیتے ہیں اور سڑکوں پر بھیک مانگ کر اپنی ضرورت کی تکمیل کرتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ موجودہ دور میں گداگری کو ایک فیشن سمجھ لیا گیا اور بزنس بھی۔ بڑے بڑے مالداروں اور دنیاداروں نے طلب دنیا کی ہوس میں مغلوب ہوکر سیکڑوں لاچاروں، قلاشوں اور کمزوروں کو یومیہ مزدوری یا چند لقموں کے عوض گداگری پر لگا رکھا ہے جبکہ حصول زر اور دنیاداری کی ان تمام قسموں کو شریعت اسلامیہ سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے بلکہ شوقیہ گداگری کرنے والے انسان کو قابل وعید قرار دیا ہے۔

بعض دنیاداروں نے لوگوں کے احتیاج وضرورت کو بھی اپنی شکم پروری اور مال ودولت میں اضافہ کا ذریعہ بنالیا جسے شریعت اسلامیہ نے صراحتا حرام قرار دیا اور لوگوں کی ضرورتوں کا بیجا استعمال اور ان کے استحصال پر یکسر قدغن لگایا۔ فقہاء نے ''**کل قرض جر نفعا فھو ربا**'' کہہ کر شرعی نصوص کا نچوڑ پیش کردیا کہ کسی شخص کی ضرورت کے موقع اپنے مال کے ذریعہ اس کا تعاون کرکے مال واپس لینے کے موقع پر اضافہ کا مطالبہ زیادتی اور ظلم ہے۔ ہاں، دنیا میں بہت سارے ایسے بھی انسانیت نواز موجود ہیں جوکہ انسانوں کی ضرورتوں کو اپنے مال ودولت کے ذریعہ پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس تعاون پر کوئی اضافی مطالبہ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو شریعت اسلامیہ نے لائق صد مبارک باد بتایا ہے اور ان کی شان میں مختلف فضیلتیں بیان کی ہے۔ پیش ہے قرض کے تعلق سے قرآن وسنت کے چند اسلامی احکامات جس کی روشنی میں اپنے اس عمل کو برت کر خود کو اجر کا مستحق ٹھہرا سکتے ہیں اور اگر ہم صاحب ضرورت ہیں تو ان سطور کو ملحوظ رکھ کر شریعت اسلامیہ کے محذورات وممنوعات سے بچتے ہوئے اپنی ضرورتوں کی تکمیل بھی کرسکتے ہیں:

قرض کی مشروعیت: احادیث کریمہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قرض ایک مشروع عمل ہے۔ ہمارے نبی اکرم جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کے پیش نظر متعدد بار قرض لیا۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے چالیس ہزار بطور قرض لئے۔ آپ کے پاس مال آیا تو آپ نے مجھے ادا کردیا اور فرمایا: ''**بارک اللہ تعالیٰ فی أھلک و مالک**'' یعنی اللہ تمہارے اہل اور تمہارے مال میں برکت عطا فرمائے۔ (سنن نسائی/ 4314، سنن ابن ماجہ/ 3424، شیخ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔)

صحابہ کرام کے عمل سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے مسجد کے اندر اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ اس دوران گفت وشنید میں ان دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں سنا۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور مجھے آواز دی: ''اے کعب!'' انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں حاضر خدمت ہوں۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے انہیں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے قرض کا آدھا حصہ معاف کردو۔ کعب نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے ایسا ہی کردیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اٹھو اور اس کا قرض ادا کردو''۔ (صحیح مسلم/ 1558)

ان نصوص سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قرض لینا اور دینا جائز عمل ہے لیکن بعض حدیثوں میں قرض کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک حدیث ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں دعا کیا کرتے تھے اور کہتے تھے: ''**اللھم انی أعوذبک من المأثم والمغرم**'' یعنی اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں''۔ کسی کہنے والے نے عرض

کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ قرض سے کس قدر زیادہ پناہ طلب کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''بلاشبہ جب بندہ مقروض ہوتا ہے اور بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے''۔ (صحیح بخاری/ 2397)

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ دعائیں تھیں جنہیں وہ چھوڑا نہیں کرتے تھے: ''**اللھم انی أعوذبک من الھم والحزن، والعجز، والکسل، والبخل، والجبن، والدین وغلبة الرجال**'' یعنی اے اللہ! میں غم اور رنج، بے بسی اور کاہلی، بخل اور بزدلی اور قرض اور آدمیوں کے غلبہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔ (سنن نسائی ۷/۲۵۷، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

ایک تیسری حدیث میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے: ''**اللھم انی أعوذبک من غلبة الدین وغلبة العدو وشماتة الأعداء**'' یعنی اے اللہ! میں قرض کے چڑھ جانے، دشمن کے غلبہ اور شماتت اعداء سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (سنن نسائی ۸/۲۶۸)

ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض لینا ایک معیوب عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس عمل سے پناہ طلب کیا کرتے تھے بلکہ بعض حدیثوں میں اس سے باز رہنے کی تلقین بھی کی ہے جس کی بنیاد پر سوال ہوتا ہے کہ آیا قرض لیا جائے یا نہیں؟

اس سوال کا جواب ہمیں محدثین کے ان اقوال سے ملتا ہے جسے انہوں نے قرض سے پناہ والی حدیثوں کے ضمن میں ذکر کئے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ناجائز کاموں کے لئے لیا ہوا قرض ہے یا پھر ایسا قرض ہے کہ اس کی واپسی قرض لینے والے انسان کی بساط سے باہر ہو اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے کوئی عام معنی مقصود ہو۔ (فتح الباری ۲/۳۱۹)

حافظ ابن حجر فتح الباری ۵/۶۱ میں دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ پھر میں نے ابن منیر کے حاشیہ میں دیکھا کہ قرض سے پناہ طلبی اور قرض لینے کے جواز میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ جس چیز سے پناہ طلب کی گئی ہے وہ قرض کی مصیبتیں ہیں اور جو شخص قرض لے اور ان سے محفوظ رہے تو اس کو اللہ تعالیٰ نے پناہ عطا فرمادی اور اس نے جائز کام کیا۔

حافظ ابن حجر کے سابقہ دونوں اقوال سے قرض سے پناہ مانگنے اور قرض لینے کے جواز والی حدیثوں کے متعلق تطبیق کی صورت نکل آتی ہے کہ انسان بلا ضرورت قرض لے، کسی کا مال ہڑپنے کے مقصد سے لے، قرض لئے ہو اور اس کی نیت ہو کہ اسے واپس نہیں کرے گا یا پھر اپنی بساط سے زیادہ چیز قرض لے یا ناجائز کاموں کے لئے قرض لے تو پھر یہ قرض جائز نہیں ہے اور قرض کی انہی صورتوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پناہ مانگا کرتے تھے۔ یہ حقیقت بھی ہے کہ جب انسان قرض لیتا ہے تو قرض خواہ کے زیر احسان دبا ہوتا ہے اور بسا اوقات حسب وعدہ جب متعین مدت پر قرض کی ادائیگی نہیں کر پاتا تو اس طرح سے قرض دار اور قرض خواہ کے مابین اختلاف ہو جاتا ہے۔

بہر حال، اگر کوئی انسان اپنے جائز کاموں کی تکمیل اور ادائیگی کی نیت سے قرض لے رہا ہو تو اس کے جواز کے تعلق سے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے بلکہ مختلف موقعوں پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام نے قرض لئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قرض لینے کی شرطیں:

☆ **قرض لینا انسان کے لئے ناگزیر ہو:** کچھ لوگ مال میں اضافے یا دنیاداری کے حصول کے لئے قرض طلب کرتے ہیں جو کہ بہر حال مناسب نہیں ہے۔ قرض کے جواز کی ایک وجہ یہ ہے کہ قرض لینے کا معقول اور جائز سبب ہو، کیونکہ قیامت کے دن اس بارے میں سوال کیا جائے گا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ روز قیامت قرض دار کو بلائے گا، یہاں تک کہ اسے اللہ کے روبرو کھڑا کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا: اے آدم کے بیٹے! تو نے یہ قرض کس لئے لیا؟ اور تو نے لوگوں کے حقوق کو کس لئے ضائع کیا؟ وہ جواب میں کہے گا: میرے پروردگار! بلاشبہ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے یہ قرض لیا لیکن اسے کھانے، پینے یا پہننے میں نہیں اڑایا اور نہ ہی کسی دوسرے کام میں برباد کیا۔ مجھ پر آگ، چوری یا کاروباری خسارہ جیسی آفت آئی ہوئی تھی''۔ اللہ عزوجل کہے گا: میرے بندے نے سچ کہا ہے۔ آج اس کا قرض ادا کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کسی چیز کو طلب کرے گا پھر اس کو اس کے میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دے گا تو اس کی نیکیاں اس کی برائیوں کے مقابلے میں زیادہ ہو جائیں گی، پس وہ ان کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (مسند احمد/ 1708، حافظ منذری نے اس حدیث کی ایک سند کو صحیح قرار دیا ہے۔)

☆ **قرض کی ادائیگی کی نیت اور پختہ ارادہ ہو:** قرض لینے کی جائز ہونے کی دوسری شرط یہ ہے کہ قرض لینے والے کی سچی نیت اور پختہ ارادہ ہو۔ اگر کوئی شخص قرض لے کر اس کے ذریعہ کسی دوسرے کے مال کو ہڑپنے کی خواہش رکھتا ہو تو ایسا انسان اللہ کے غیظ وغضب کا شکار بنتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**من أخذ أموال الناس یرید أداء ھا أدی اللہ عنہ، و من أخذ یرید اتلافھا أتلفہ اللہ**'' یعنی جو شخص ادائیگی کے ارادے سے لوگوں کے مال لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ادا کروا دیتے ہیں اور جو شخص انہیں تلف کرنے کے ارادے سے لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو برباد کر دیتے ہیں۔ (صحیح بخاری/ 2387)

☆ **مستقبل میں ادائیگی کے امکانات:** جائز کاموں کے لئے ادائیگی

کی نیت سے قرض جب لیا جائے تو اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ مقروض کے لئے مستقبل میں ادائیگی کے امکانات ہوں۔ اگر کسی انسان کے پاس ادائیگی کی طاقت نہ ہو تو پھر اس کے لئے قرض لینا درست نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "لا أحب أن يتحمل بأمانته ما ليس عنده" یعنی میں پسند نہیں کرتا ہوں کہ وہ اپنی امانت کے ساتھ اس چیز کا بوجھ اٹھائے، جس کی اس میں استطاعت نہ ہو۔ (المغنی لابن قدامة المقدسی ۴/ ۳۴۸)

قرض کن چیزوں میں جائز ہے؟: اس تعلق سے جمہور امت کا اتفاق ہے کہ نقدی، ماپ اور وزن کی جانے چیزوں، نیز حیوانات کا قرض لینا دینا جائز ہے۔ (ملاحظہ ہو: الفقه الاسلامی وأدلته للدکتور وهبة الزحیلی ۴/ ۲۳۲۷)

امام ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: "والقرض جائز فی کل مایحل تملیکه أو تملیکه بهبة و غیرها....." یعنی ہر وہ چیز جس میں ہبہ وغیرہ سے مالک بننا، بنانا جائز ہے، اس میں قرض جائز ہے۔ (المحلی لابن حزم الظاهری ۸/ ٤٦٢، معجم فقه ابن حزم الظاهری ج ۱/ ۳۰۱)

قرض کے دائرہ کے تعلق سے فقہائے امت کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ قرض کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔ ہر وہ چیز جس میں ہبہ وغیرہ کے ذریعہ ملکیت حاصل ہو سکتی ہے، اس میں قرض لینا دینا درست ہے۔ نقدی، ماپ اور وزن کی جانے والی چیزوں اور حیوانات کا بطور قرض لینا دینا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قرض دینے کی فضیلت: یقینی طور پر کسی حاجت مند انسان کی حاجت روائی ایک بہتر عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے قرض دینے کی پرزور ترغیب دی ہے۔ قرض کے حوالے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے کہ قرض دینے والے انسان کو قرض میں دیئے ہوئے مال کے نصف مال کا صدقہ کرنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان السلف یجری مجری شطر الصدقة" یعنی قرض آدھے صدقہ کے برابر ہے۔ (مسند احمد بن حنبل/ 3911، شیخ احمد شاکر نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔)

بلکہ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی انسان کسی شخص کو دو مرتبہ قرض دیتا ہے تو پھر اسے ایک بار صدقہ کرنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان کو دو دفعہ قرض دینا، (قرض دی ہوئی رقم کے) ایک دفعہ (کے اجر وثواب) کی مانند ہوتا ہے"۔ (سنن ابن ماجہ/ 2455، شیخ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔)

یہی نہیں، قرض کا ثواب بسا اوقات صدقہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دخل رجل الجنة، فرأى مكتوبا على بابها: الصدقة بعشر أمثالها، والقرض بثمانية عشر" یعنی ایک شخص جنت میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا: صدقے کا اجر دس گنا اور قرض کا اجر اٹھارہ گنا ہے"۔ (ملاحظہ ہو: صحیح الترغیب والترهیب ۱/ ۵۴۷، شیخ البانی نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔)

قرض میں اگر سونا چاندی جیسی چیزیں دی گئی ہوں تو پھر اس کی فضیلت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے سونا چاندی جیسی چیزوں کے قرض دینے کو گردن آزاد کرنے جیسا فضیلت یافتہ عمل قرار دیا ہے۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "من منح منيحة: ورقا أو ذهبا، أو سقى لبنا، أو هدى زقاقا، فهو كعدل رقبة" یعنی جس شخص نے چاندی یا سونا بطور قرض دیا یا دودھ پلایا اور راستے میں راہ نمائی کی، وہ ایک گردن آزاد کرنے کے برابر ہے۔ (مسند احمد/ 18403، شیخ ارناؤوط اور ان کے رفقاء نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔)

تنگ دست کو مہلت دینے کے بعض فضائل: شریعت اسلامیہ نے جس طرح سے قرض دینے کی پرزور ترغیب دی ہے، اسی طرح سے تنگدست انسان کے تعلق سے رہنمائی فرمائی ہے کہ اس سے اپنے حق کے مطالبہ میں نرمی اور آسانی سے مطالبہ کیا جائے اور متعینہ مدت میں وہ قرض نہ لوٹا سکے تو قرض خواہ کو چاہئے کہ اس کی مدت میں توسیع کر دے اور اپنا حق کا مطالبہ کرنے میں سخت اور ترش روئی کا مظاہرہ نہ کرے۔ کیونکہ تنگ دست کو مہلت دینے کے تعلق سے بے پناہ فضائل احادیث کے ذخیرے میں موجود ہیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

☆ **کسی تنگ دست کو مہلت دینے پر ہر روز مہلت دینے والے انسان کو قرض میں دیئے ہوئے مال کے مساوی صدقہ کا ثواب ملتا ہے**: اگر آپ نے کسی انسان کو قرض دے رکھا ہے لیکن وہ وقت معین پر آپ کے قرض کو واپس نہیں کر پا رہا ہے اور تنگ دستی کا شکار ہے تو اگر اسے آپ مہلت دے رہے ہیں تو آپ جتنے دن مقروض کو مہلت دے رہے ہیں، آپ کے قرض کے مساوی مال صدقہ کرنے کا ہر روز ثواب حاصل ہوگا۔ بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "من أنظر معسرا فله بكل يوم مثله صدقة" قال: ثم سمعته يقول: "من أنظر معسرا فله بكل يوم مثليه صدقة" یعنی جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی اس کے لئے ہر روز اس کے برابر صدقہ کا ثواب ہے۔ انہوں نے بیان کیا: پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "جس کسی نے کسی تنگ دست کو مہلت

دی،اس کے لئے ہر روز اس سے دوگنا صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جس شخص نے کسی تنگ دست کو مہلت دی اس کے لئے ہر روز اس کے برابر صدقہ کا ثواب ہے۔ پھر میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جس کسی نے کسی تنگ دست کو مہلت دی، اس کے لئے ہر روز اس سے دوگنا صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ اس پر رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''لـه بكل يوم صدقة قبل أن يحل الدين، فاذا حل الدين فأنظره، فله بكل يوم مثليه صدقة'' یعنی اس کے لئے قرض کی واپسی کے وقت سے پہلے ہر روز اس کے برابر صدقہ کا ثواب ہے اور جب وہ اس کو قرض کی واپسی کے مقررہ وقت کے بعد مہلت دے تو اس کے لئے اس کے دوگنا صدقہ کرنے کے برابر ثواب ہے۔ (مسند احمد ۳۶۰/۵، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: صحیح الترغیب و الترھیب ۱ /۵۴۱)

☆ **اپنے حق کے مطالبہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نرمی کی تاکید فرمائی ھے**: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس بات کی تاکید کی ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''من طلب حقا فليطلب في عفاف واف، أو غير واف'' یعنی جو شخص اپنے حق کا مطالبہ کرے، وہ ناجائز طریقے سے بچتے ہوئے کرے، حق مکمل حاصل ہو یا نہ ہو۔ (سنن ابن ماجہ/2446، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: صحیح الترغیب و الترھیب ۳۲۹/۲)

☆ **تقاضا میں آسانی بہتر مومنوں کی صفت ھے**: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''أفضل المؤمنين رجل سمح البيع، سمح الشراء، سمح القضاء، سمح الاقتضاء'' یعنی اہل ایمان میں سے افضل وہ آدمی ہے جو بیچنے میں سہولت دے، ادا کرنے میں سہولت دے، اپنا حق طلب کرنے میں سہولت دے''۔ (الترغیب والترھیب/4563)

☆ **تقاضا میں آسانی حصول آسانی کی کنجی ھے**: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسمح يسمح لك'' یعنی دوسرے کے ساتھ آسانی کرو، تمہارے لئے آسانی کی جائے گی۔ (مسند احمد/2233، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: صحیح الترغیب و الترھیب ۳۲۷/۲)

☆ **تقاضا میں آسانی حصول مغفرت اور بخشش کا ذریعہ ھے**: جابر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غفر الله لرجل كان قبلكم، كان سهلا اذا باع، سهلا اذا اشترى، سهلا اذا اقتضى'' یعنی تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔ وہ بیچتے وقت سہولت دیتا تھا، خریدتے وقت سہولت دیتا تھا اور تقاضا کرتے وقت آسانی کرتا تھا۔ (سنن ترمذی/1335، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

☆ **مطالبہ میں آسانی رحمت الٰھی کے حصول کا سبب ھے**: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رحم الله رجلا سمحا اذا باع، واذا اشترى، واذا اقتضى'' یعنی اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائیں جو بیچنے، خریدنے اور مطالبہ کرتے وقت سہولت دے۔ (صحیح بخاری/2076)

☆ **تقاضا میں آسانی دخول جنت کا ذریعہ ھے**: خلیفہ راشد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''أدخل الله عزوجل رجلا كان سهلا مشتريا، وبائعا و قاضيا و مقتضيا الجنة'' یعنی اللہ عزوجل نے خریدنے، بیچنے، کسی کا حق ادا کرنے اور اپنا حق طلب کرنے میں آسانی کرنے والے شخص کو جنت میں داخل کردیا۔ (سنن نسائی ۳۱۸/۷-۳۱۹، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

☆ **تنگ دست کو مہلت دینا دعاؤں کی قبولیت اور مصیبت سے نجات کا سبب ھے**: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''من أراد أن تستجاب دعوته و تنكشف كربته فليفرج عن معسر'' یعنی جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی دعا قبول کی جائے اور مصیبت دور کی جائے، وہ تنگدست پر آسانی کرے۔ (مسند احمد/4430)

☆ **روز محشر کی مصیبتوں سے نجات**: ابوقتادہ لیثی اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''من سره أن ينجيه الله من كرب يوم القيامة و أن يظله الله تحت عرشه فلينظر معسرا'' یعنی جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ اس کو روز قیامت کی مصیبتوں سے نجات دی جائے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے سایہ دیا جائے، وہ تنگی والے کو مہلت دے''۔ (مجمع الزوائد للھیثمی ۱۳۴/۴، امام ہیثمی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔)

☆ **تنگ دستوں کو مہلت دینا جنت میں داخلہ کا باعث ھے**: ربعی بن خراش بیان کرتے ہیں کہ حذیفہ اور ابومسعود رضی اللہ عنہما اکٹھا ہوئے تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: ایک شخص کی اپنے رب سے ملاقات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا: تونے کیا عمل کیا؟ اس نے عرض کیا: میں نے تو نیکی نہیں کی، سوائے اس کے کہ میں مال دار تھا اور لوگوں سے اپنے حق کی واپسی کا تقاضا کیا کرتا تھا تو خوشحال سے قبول کیا کرتا تھا اور تنگ دست سے درگزر کیا کرتا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے

فرمایا:''میرے بندے سے درگزر کرو''۔ابومسعود کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوایسے فرماتے ہوئے سنا۔(صحیح مسلم/1195)

ادائیگی قرض کی تاکید: اسلام نے جس طرح سے قرض کی ترغیب دی ہے اور مقروض کے ساتھ حسن معاملہ کی تاکید کی ہے، اسی طرح سے قرض کی ادائیگی پر بھی زور دیا ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:''اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا'' (النساء:۵۸) یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانتیں ان کے حقداروں کو ادا کرو۔

اس آیت کریمہ کے عموم سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر مقروض انسان کو چاہئے کہ وہ قرض کو ادا کرے۔نیز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول دیکھتے ہیں تو معلوم چلے گا کہ آپ ہمیشہ قرض کی ادائیگی کے لئے دعائیں مختلف صحابہ کرام سے کروایا کرتے تھے۔

نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر کوئی شخص قرض ادا کرتا ہے یا پھر قرض کی ادائیگی کی نیت رکھتا ہے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ اس کے قرض کی ادائیگی کروا دیتا ہے۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''**من أخذ أموال الناس يريد أدا ء ها أدى الله عنه**'' یعنی جو شخص لوگوں کے مال ادا کرنے کی نیت سے لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ادا کروا دیتے ہیں۔(صحیح بخاری/2387)

یہی نہیں، اگر کوئی شخص قرض لیتا ہے اور اس کی ادائیگی کی نیت رکھتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے محافظ ملتا ہے اور اسے رزق ملتا ہے۔عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ قرض لیا کرتی تھیں۔ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو قرض کی کیا ضرورت ہے؟انہوں نے جواب دیا کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:''**ما من عبد كانت له نية في ادا ء دينه الا كان له من الله عزوجل عون**'' یعنی کوئی بندہ جب قرض لیتا ہے اور قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو مدد حاصل ہوتی ہے۔میں اسی مدد کی جستجو میں قرض لیتی ہوں۔(مسند احمد/24679،شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔ملاحظہ ہو: **صحیح الترغیب والترھیب**/349)

ایک دوسری روایت میں ہے:''**كان معه من الله عون و حافظ**'' یعنی اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور حفاظت کرنے والا ہوتا ہے۔(مسند احمد/26127،شیخ شعیب ارناؤوط اور ان کے رفقاء نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔)

نیز جو لوگ قرض کو عمدہ ڈھنگ سے ادا کرتے ہیں انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین قرار دیا ہے۔ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''**ان خيار الناس أحسنهم قضاء**'' یعنی بہترین لوگ ادائیگی میں سب سے اچھے ہوتے ہیں۔(صحیح مسلم/1600)

عدم ادائیگی کی صورت میں مقروض انسان کی پیشی چور کی صورت میں ہوگی۔میمون کردی اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:''**وأيما رجل استدان دينا، لايريد أن يؤدى الى صاحبه حقه، خدعه حتى أخذ ماله، فمات،ولم يؤ د اليه دينه، لقى الله وهو سارق**'' یعنی جس شخص نے اس ارادے سے قرض طلب کیا کہ حقدار کو اس کا حق واپس نہیں کرتا، پھر اس نے دغا سے اس کا مال لے لیا اور قرض ادا کئے بغیر فوت ہوگیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے چور کی حیثیت میں ملے گا۔(**صحیح الترغیب والترھیب ۲/۳۵۲**)

قرض ادا نہ کرنے والا انسان اپنی نیکیوں سے محروم کر دیا جائے گا اور قرض دینے والے انسان کو اس کی نیکیوں سے قرض کی بھرپائی کی جائے گی۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا:''**من مات و عليه دينار أو درهم قضى من حسناته ليس ثم دينار و لا درهم**'' یعنی جو شخص فوت ہوا اور اس کے ذمہ دینار یا درہم ہو تو اس کی نیکیوں سے بدلہ دیا جائے گا۔وہاں کوئی دینار ہوگا نہ درہم۔(سنن ابن ماجہ/2439،شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

شہادت ایک عظیم خلعت ہے جو اللہ تعالیٰ معدودے اشخاص کو سرفراز فرماتا ہے اور شہداء بلاحساب و کتاب جنت میں داخل ہوتے ہیں لیکن اگر ان کے ذمہ بھی اگر قرض ہو تو وہ معاف نہیں کیا جاتا۔چنانچہ ابوقتادہ بن دعامہ سدوسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کھڑا ہو کر بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا تمام کاموں میں سب سے عمدہ ہیں۔یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا:اے اللہ کے رسول!اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا مجھ سے میری خطائیں دور کی جائیں گی۔اس کے جواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''ہاں اگر تم اس حالت مین اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے کہ تم صبر کرنے والے، ثواب طلب کرنے والے، پیش قدمی کرنے والے اور پشت پھیر کر بھاگنے والے نا تھے۔پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''تم نے کیسے کہا؟''انہوں نے عرض کیا:''آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں تو کیا میری خطائیں مجھ سے ختم کر دی جائیں گی''۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''ہاں اور تم صبر کرنے والے، اجر طلب کرنے والے، پیش قدمی کرنے والے ہوئے تو مگر قرض کیونکہ جبرئیل علیہ السلام نے ابھی مجھ سے یہ کہا ہے''۔(صحیح مسلم/1885)

قرض میں دی ہوئی چیز سے زیادہ چیز کی واپسی کی شرط لگانا: قرض دیتے وقت دی ہوئی رقم یا چیز سے زیادہ کی واپسی کی شرط لگانا حرام ہے اور یہی اضافہ سود ہے۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:''**من أسلف سلفا فلايشترط أفضل منه، وان كانت قبضة من علف،فهو ربا**''

یعنی جو شخص کوئی قرض دے تو وہ اس سے بہتر واپس لینے کی شرط عائد نہ کرے، اگر چہ وہ بڑھوتری مٹھی بھر چارہ ہی ہو، یہی تو سود ہے۔ (موطا امام مالک/682)

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر کوئی مقروض انسان اپنی خوشی سے بغیر سابقہ شرط کے قرض سے افضل اور بہتر چیز دیتا ہے تو اس کو لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ایک خاص عمر کا اونٹ تھا۔ وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقاضا کرنے کے لئے آیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو دے دو۔ صحابہ کرام نے اس عمر کا اونٹ ڈھونڈا لیکن اس سے بہتر اونٹ ہی ملا تو اللہ کے رسول نے اسے ہی دینے کا حکم دیا۔ یہ دیکھ کر قرض خواہ بول پڑا کہ آپ نے مجھے میرا حق پوری طرح دے دیا۔ اللہ آپ کو اس کا بہتر بدلہ عطا کرے۔ اس پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان خیارکم أحسنکم قضاء'' یعنی تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض ادا کرنے میں سب سے بہتر ہوں۔ (صحیح بخاری/2393)

قرض دار انسان کا قرض خواہ کو هدیه دینا: ابو بردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو میں نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ انہوں نے فرمایا: ''کیا ہمارے ہاں نہیں آوگے، کہ میں تمہیں ستو پلاؤں اور کھجوریں کھلاؤں اور تم ایک ایسے گھر میں داخل ہونے کا شرف حاصل کرسکو جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے؟ پھر انہوں نے فرمایا: تم ایسی سرزمین میں ہو جہاں ہر سو سود عام ہے۔ جب تمہارا کسی پر قرض ہو، پھر وہ تمہیں گھاس کا، جو کا یا چارے کا ایک گٹھا تحفہ کے طور پر بھیجے تو بھی نہ لو کیونکہ بلاشبہ وہ سود ہے۔ (صحیح بخاری/3814)

علامہ عینی اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ قرض خواہ کا ہدیہ قبول کرنا سود ہی کے حکم میں ہے کیونکہ وہ اس کے لئے قرض پر اضافہ ہے۔ یہ رہے قرض کے تعلق سے مختصر فضائل و مسائل، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کتاب وسنت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے اور ہمیں قرض کے متعلق اسلامی احکامات کا فہم حاصل کرنے اور انہیں اپنی زندگی میں برتنے کی توفیق بخشے تاکہ دین و دنیا ہر دو جگہ ہم کامیابی سے سرخرو ہوسکیں اور اسلامی محذورات وممنوعات سے بچ کر ہم اپنے آپ کو نیکیوں کا سزاوار بناسکیں۔ اللھم تقبل یا رب العالمین۔

☆☆☆

آل انڈیا مسابقہ حفظِ حدیث

برائے طالبات وفارغات

All India Hifz-e-Hadees Competition

مقام
جامعة المفلحات
حیدرآباد، الہند۔

زیر اہتمام **جامعة المفلحات حیدرآباد، الهند** تاریخ: 30 نومبر و یکم دسمبر 2019ء بروز ہفتہ واتوار

زمرہ سوم برائے ابتدائیہ واسکول (زیر تعلیم) مقرر کتاب: مدنی گلدستہ حدیث (حدیث نمبر: 1 سے 70 تک)		زمرہ دوم برائے متوسطہ وعالمیت (زیر تعلیم) مقرر کتاب: بچوں کی تربیت سے متعلق چالیس احادیث		زمرہ اول برائے عالمات وفاضلات (سند یافتہ) مقرر کتاب: خواتین سے متعلق پچاس احادیث	
20,000	انعام اول	25,000	انعام اول	35,000	انعام اول
15,000	انعام دوم	20,000	انعام دوم	25,000	انعام دوم
10,000	انعام سوم	15,000	انعام سوم	20,000	انعام سوم

اور ہر زمرہ میں انعام اول، دوم، سوم کے علاوہ بیس اوائل کو بھی 1000 روپئے کے **تشجیعی انعامات** اور اسناد سے نوازا جائے گا۔

1۔ رجسٹریشن کی آخری تاریخ 20 نومبر 2019 ہے۔
2۔ تحریری مسابقہ 30 نومبر، بروز ہفتہ صبح 10:00 بجے اور تقریری مسابقہ یکم دسمبر بروز اتوار صبح 8:00 بجے۔
3۔ تمام مشارکات کے لئے قیام وطعام کا نظم ہے۔
4۔ رجسٹریشن فارم آن لائن پُر کریں، اس کی لنک واٹس ایپ یا QR کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔
5۔ نتائج کا اعلان یکم دسمبر بروز اتوار، شام 3:00 بجے اختتامی اجلاس زیر صدارت فضیلة الشیخ **اصغر علی امام مہدی السلفی** حفظہ اللہ (امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) اور مہمان خصوصی فضیلة الشیخ **ہارون سنابلی** حفظہ اللہ (ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) میں کیا جائے گا۔ ان شاءاللہ

QR Code

تعلیمی ادارے
1۔ **جامعة المفلحات** کوتہ پیٹ، حیدرآباد (عربی میڈیم، لڑکیوں کے لئے)
2۔ **جامعة المفلحات** کوتہ پیٹ، حیدرآباد (انگلش میڈیم، لڑکیوں کے لئے)
3۔ **جامعة الفلاح** شریف نگر حیدرآباد (عربی میڈیم، لڑکوں کے لئے)
4۔ **فلاح هائی اسکول** شریف نگر، حیدرآباد (انگلش میڈیم، لڑکوں کے لئے)
5۔ **فلاح اسکول** گلشن باغ، حیدرآباد (انگلش میڈیم، لڑکے اور لڑکیوں کے لئے)
6۔ **مرکز الایتام** کوتہ پیٹ، حیدرآباد (انگلش میڈیم، لڑکے اور لڑکیوں کے لئے)
7۔ **تحفیظ القرآن الکریم** کوتہ پیٹ (لڑکیوں کے لئے)
8۔ **مجمع الشریف غالب للبحوث العلمیة** کوتہ پیٹ حیدرآباد، الہند۔

مسابقہ میں مقرر کتابیں مکتبہ فہیم کی ہیں جو حیدرآباد میں صدیقی بک ڈپو بارکس سے یا کسی بھی بک ڈپو سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔
فون نمبر:

Jamiatul Muflihat # 2-100/3, Kothapet, Venkatapur Road, Near Water Tank, Balapur, Po. Keshogiri, Hyderabad- 500 005. (T. S.) INDIA
7288857777 / 95423 82000 musabaqahifzehadeeth@gmail.com muflihat.org

تحریر: عبدالرزاق عبدالمحسن البدر
ترجمہ: عبدالمنان شکراوی، اہل حدیث منزل، دہلی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت اور اس کی پہچان

ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اولادِ آدم کے سردار، ساری مخلوق کے پیشوا، اللہ کے بندوں کے لئے نمونہ اور سیدھے راستے کے داعی ومبلغ تھے۔ آپ کو ساری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ اسی لئے آپ سے سچی محبت اللہ کی عظیم اطاعت اور اس سے تقرب کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی محبت، اطاعت، ادب واحترام اور آپ کے حقوق کی ادائیگی کو فرض قرار دیا ہے۔

کسی بھی دعوے کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، دعویٰ بلا دلیل غیر معتبر ہوتا ہے۔ دعوے کی دلیل کچھ ثبوت، علامات اور نشانیوں پر مشتمل ہوتی ہے جن کو دیکھ کر دعویٰ کی صداقت کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ جو کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے، دیکھنا ہوگا کہ اس کے اندر محبت رسول کی علامات موجود ہیں بھی یا نہیں۔ درج ذیل امور حب نبوی ﷺ پر دلالت کرتے ہیں:

سنت نبوی کی پیروی :ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آل عمران:۳۱) ترجمہ: آپ کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس امر میں فیصل ہے کہ جو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرے لیکن وہ محمدی طریقے پر نہیں ہے تو وہ اپنے اس دعوے میں اس وقت تک جھوٹا ہے جب تک کہ شریعت محمدی اور نبوی دین کی اقوال وافعال واحوال سب میں اتباع نہ کرے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہماری شریعت سے مختلف ہے تو وہ مردود ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:۳۱) ترجمہ:'' آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔'' یعنی تمہیں تمہاری طلب سے بھی زیادہ ملے گا کہ تم اس سے محبت کرو گے تو وہ تم سے محبت کرے گا۔

کثرت سے آپ کا ذکر اور آپ کے دیدار کی خواہش : امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بندہ جب محبوب کا ذکر کثرت سے کرتا ہے، ہمہ وقت دل میں اس کا تصور بیٹھائے رہتا ہے، اس کی خوبیاں اور محبت کے دواعی دل ودماغ پر حاوی رہتے ہیں تو محبت میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے، اس سے ملاقات کا شوق بڑھ جاتا ہے اور قلب وجگر اس میں محو ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس جب بندہ اس کے ذکر سے اعراض کرتا ہے تو اس کا الٹا اثر پڑتا ہے اور محبت کم ہوجاتی ہے۔ محبّ کی آنکھ کے لئے محبوب کا دیدار جس طرح زیادہ پائدار ہوتا ہے اسی طرح اس کے دل کے لئے محبوب کا ذکر کرنا اور اس کی خوبیوں سے زبان تر رکھنا زیادہ ٹکاؤ ہوتا ہے۔ (جلاء الافہام) صحیح مسلم کی یہ روایت اس کی شاہد ہے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' میرے بعد میری امت میں مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے کچھ لوگ ہوں گے جو چاہیں گے کہ کاش وہ اپنا اہل وعیال اور مال سب صدقہ کردیں اور مجھے دیکھ لیں۔'' آپ ﷺ کا ذکر آپ کے فضائل ومناقب وخصائل، آپ کی سنتوں کی پیروی اور آپ پر درود وسلام کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ آپ ﷺ کے دیدار کی محبت کے نتیجے میں سچا عزم، محنت وجدوجہد اور آپ کے طریقے کی اقتدا حاصل ہوگی۔ اس سے بندہ آپ کا دیدار تو کرہی سکے گا، اس سے جنت میں آپ کی رفاقت بھی حاصل ہوگی۔

قرآن کی تعلیم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا: امام بیہقی رحمہ اللہ نے کتاب الآداب میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' کوئی بھی شخص اپنے آپ سے قرآن ہی کا سوال کرے کیونکہ وہ اگر قرآن سے محبت کرتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔'' قرآن سے محبت، اس کی تلاوت اور اس میں غور وفکر، ہدایت کے سب سے بڑے دروازوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو اپنے بندوں کے لئے ہدایت، رحمت، روشنی، خوشخبری اور نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نصیحت بنا کر نازل فرمایا ہے۔ اسے بابرکت اور سارے جہانوں کے لئے ذریعۂ ہدایت بنادیا ہے جو سب سے سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس میں نشانیاں اور وعید بھی ہیں تاکہ لوگ تقویٰ اختیار کریں یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے اس کے ذریعہ نصیحت کا سامان پیدا فرمادے۔ اس میں اللہ نے بیماریوں خاص کر دلوں کے امراض یعنی شکوک وشبہات سے شفاء رکھی ہے۔ ہر وہ مسلمان جو اللہ کے رسول کا سچا شیدائی بننا چاہتا ہے اس کے لئے مناسب ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت، اس کی آیات میں

غور وفکر، اس کے معانی کی سمجھ حاصل کرے اور اس کی تعلیمات پر پوری طرح عمل کرے۔امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غور وفکر کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت سے زیادہ دل کے لئے نفع بخش کوئی چیز نہیں ہے۔تلاوت قرآن کریم راہ حق کے مسافروں کی تمام منازل،عمل وکردار کے حاملین کے احوال وکوائف اور عارفین باللہ کے مراتب کا مجموعہ ہے۔محبت ،شوق، خشیت، امید،انابت، توکل ، رضاء،خودسپردگی ،صبر وشکر اور ان کے علاوہ بھی جن چیزوں سے دل کو زندگی اور کمال حاصل ہوتا ہے وہ سب اسی تلاوت قرآن کریم سے ملتا ہے۔اس کے علاوہ تمام ایسی صفات اور مذموم افعال جن سے دل میں فساد وبگاڑ پیدا ہوتا ہے تلاوت قرآن کریم ان سے دور رکھتی ہے۔

آپ سے محبت کرنے والے سے محبت اور بغض رکھنے والے سے بغض: صحیح حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ یہ بات ایمان کا سب سے مضبوط کڑا ہے۔آپ نے جن اعمال وخصائل وآداب کو پسند فرمایا ہے ان کو پسند کرے نیز جن لوگوں سے محبت کی ہے ان سے محبت کرے، اسی طرح جن اعمال وخصال وآداب نیز اشخاص کو ناپسند فرمایا ہے ان کو ناپسند کرے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن سے محبت کی ان سے محبت نہ کرے یا جن کو ناپسند فرمایا ہے ان کو پسند کرنے لگے تو اس کی آپ سے محبت سچی محبت نہ ہوگی۔ حدیث شریف میں اس کے بے شمار دلائل موجود ہیں۔ارشاد نبوی ﷺ ہے: جس نے علی سے محبت کی گویا اس نے مجھ سے محبت کی۔اور جس نے علی نے دشمنی کی گویا اس نے مجھ سے دشمنی کی۔(حاکم) نیز فرمایا: جس نے ان (حسن وحسین) سے محبت کی ،اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔(احمد) ایک اور روایت میں ہے آپ نے فرمایا: جو مجھ سے محبت کرنا چاہتا ہے، اسے چاہئے کہ وہ اسامہ سے محبت کرے۔(مسلم) ایک اور موقعہ پر فرمایا: انصار سے محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے دشمنی نفاق کی علامت ہے۔(بخاری ومسلم) معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام ،آل بیت ،اہل علم وفضل عباد وزھاد ،محسنین واہل خیر میں سے جو بھی آپ کے پیروکار رہوئے ان سب سے محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی دلیل ہے۔اسی طرح نیک وافضل اعمال، آداب کاملہ اور اچھے معاملات کو پسند کرنا بھی آپ ﷺ سے محبت کے زمرے میں آتا ہے۔اس کے برعکس قابل نفرت اعمال کو بھی آپ کے ناپسندیدہ اعمال شمار کیا جائے گا۔اس سلسلے میں لوگوں کی تین قسمیں بنتی ہیں:

۱۔جن کے اندر صرف محبت ہے بغض نہیں۔یہی لوگ اہل ایمان وصلاح اور اصحاب استقامت ہیں۔

۲۔جن کے اندر صرف نفرت ودشمنی ہے۔یہی کافر ومشرک اور منافق ہیں۔

۳۔جن کے اندر محبت بھی ہے اور دشمنی بھی۔یہ مسلمانوں میں سے نافرمان لوگ ہیں۔ان کے اندر جو ایمان وصلاح ہے وہ لائق محبت ہے اور جو نافرمانی ہے وہ لائق نفریں۔اس سلسلے میں آپ ﷺ سے ایک بہت ہی جامع دعا منقول ہے: **اللھم انی أسالک حبک وحب من یحبک والعمل الذی یقربنی الی حبک.** (اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت اور جو تجھ سے محبت کرے اس کی محبت کا طالب ہوں نیز ایسے عمل کا خواستگار ہوں جو مجھے تیری محبت سے قریب کردے۔)

آپ ﷺ کے متعلق غلو سے اجتناب: غلو کی خرابی کا معاملہ اگر کسی سے مخفی رہے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے نام پر غلو میں اس کے قدم پھسل سکتے ہیں کیونکہ آپ نے بہت سی احادیث میں غلو سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔یحیٰ بن سعید سے مروی ہے کہ ہم حضرت علی بن حسین کے پاس تھے۔اسی دوران کوفہ سے کچھ لوگ آئے،ان سے حضرت علی نے کہا: اے اہل عراق! ہم سے اسلامی محبت کرو کیونکہ میں نے اپنے باپ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اے لوگو! مجھے میرے مرتبے سے (زیادہ) بلندمت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنانے سے پہلے بندہ بنایا ہے۔''غور کرنے کا مقام ہے کہ اس میں اسلامی محبت کا ذکر ہے کیونکہ وہی نفع بخش اور عنداللہ مقبول محبت ہے نہ کہ غلو کرنے والوں کی محبت۔محبت میں غلو وزیادتی کا قرآن وحدیث میں کہیں ذکر نہیں ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے اللہ کے رسول! اے ہم میں سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے بیٹے! اے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے فرزند! یہ سن کر آپ نے فرمایا: اے لوگو! جیسے کہتے ہو ویسے ہی کہو۔تمہیں شیطان گمراہ نہ کردے۔میں تو محمد، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔مجھے یہ بات پسند نہیں کہ تم مجھے میرے اس مرتبے سے زیادہ بلند کرو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔(نسائی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لاتطرونی کما اطرت النصاری ابن مریم انما انا عبد فقولوا عبداللہ ورسولہ**''مجھے میرے مرتبے سے زیادہ نہ بڑھاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو نصاریٰ نے آگے بڑھا دیا ہے، میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں۔اس لئے (میرے متعلق) یہی کہا کرو کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔''(بخاری) ان احادیث میں جائز اور معتدل اسلامی محبت کا دائرہ متعین کردیا گیا ہے اس میں غلو یا حد سے تجاوز اسے اسلامی محبت کے دائرہ سے خارج کردے گا اور وہ محبت شرعاً درست نہیں ہوگی۔

بدعات سے اجتناب اورنفسانی خواہشات سے

دوری: بدعات سے احتراز کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث وارد ہیں جن سے ہر خاص وعام واقف ہے۔ بعض لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے اظہار میں مبالغہ آرائی نہیں ہوگی، طول وطویل لن ترانیاں اور قسم قسم کے مصنوعی انداز اختیار نہیں کئے جائیں گے آپ سے حقیقی محبت کا حق ادا نہ ہوگا۔ یہ ان کی خود ساختہ فکر ہے جس کا قرآن وحدیث کی تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اور یہ سب شریعت کے مزاج سے قطعا میل نہیں کھاتیں۔ بلکہ شریعت کے مزاج سے ناواقفیت کی بنا پر ایسی حرکتیں کی جاتی ہیں۔ لوگوں نے اسی فکر وخیال کے نتیجے میں آپ کے یوم پیدائش کو عید بنالیا ہے۔ ہجرت مدینہ اور اسراء ومعراج جیسی مناسبتوں میں رنگا رنگ پروگرام منعقد کئے جاتے ہیں۔ محفل نعت منعقد کی جاتی ہیں، قصیدہ خوانی کی جاتی ہے، مدحیہ کلمات پیش کئے جاتے ہیں، مقفی ومسجع لچھے دار تقریریں کی جاتی ہیں۔ گرچہ لوگوں کا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار ہے جو کہ بذات خود اچھا ارادہ ہے لیکن آپ سے محبت کا اظہار شریعت میں وہی مقبول ہے جس میں آپ کی سنت کی پیروی، آپ کے اسوہ ونمونہ کی اقتدا اور آپ کے نقش قدم کی اتباع ہو۔ اسی لئے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تابعین، تبع تابعین اور معتبر ائمہ عظام رحمہم اللہ میں سے کسی سے بھی اس طرح کی نوایجاد کردہ اعمال ثابت نہیں ہیں بلکہ اس کے برخلاف اس طرح کی رسوم ورواج کی ان کی طرف سے سخت مذمت اور زبردست سنگینی منقول ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں سنت کا پیروکار ہوں دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرنے والا نہیں۔ میں درست راستے پر چلوں تو میری پیروی کرنا اور اگر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردینا۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سنت کی پیروی کرو، نئی نئی باتیں ایجاد نہ کرو، یہ تمہارے کرنے کا کام نہیں ہے۔ (دارمی) آپ نے یہ بھی فرمایا: سنت پر میانہ روی اختیار کرنا، بدعت ایجاد کرنے کی کوشش سے بہتر ہے۔ (حاکم)

حضرت عثمان ازدی فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور ان سے نصیحت کرنے کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ آپ نے فرمایا: تم اپنے اوپر تقویٰ اور استقامت کو لازم پکڑو، سنت کی پیروی کرو، دین میں کوئی نئی چیز ایجاد نہ کرو۔ (دارمی)

(بشکریہ ہفت روزہ الفرقان، کویت)

☆☆☆

اہل حدیث کمپلیکس اور اہل حدیث منزل کے دونوں تاریخی اور عظیم تعمیری کاموں کے سلسلہ میں

ایک اعلیٰ سطحی وفد متعدد صوبوں کے دورے پر۔ ان شاء اللہ

احباب جماعت اور ہمدردانِ قوم وملت کو معلوم ہے کہ اہل حدیث کمپلیکس اوکھلائی دہلی اور اہل حدیث منزل جامع مسجد دہلی میں دو عظیم الشان تاریخی بلڈنگوں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ اس سلسلہ میں الحمدللہ اہل حدیث کمپلیکس کے عظیم تعمیری پروجیکٹ کی دوسری منزل کی تسقیف (ڈھلائی) کا کام ہونے والا ہے اور اُردو بازار میں اہل حدیث منزل کی تیسری منزل تک کی تعمیر کا کام مکمل ہوا چاہتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق کے بعد محسنین جماعت وجمعیت کی سخاوت وفیاضی کے مرہون منت ہے۔ مزید تعاون کے لیے احباب جماعت صوبائی جمعیات سے تنسیق کے بعد مساجد میں باضابطہ ومسلسل اعلان کریں۔ اور مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں رقوم ارسال فرمائیں۔

عنقریب ہی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا ایک اعلیٰ سطحی وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہورہا ہے۔ اس عظیم اور تاریخی خیر کے کام میں اپنا بھرپور حصہ اور کردار ادا کر کے مشکور وماجور ہوں۔

نوٹ: اس سلسلہ میں متعلقہ صوبوں کے ذمہ داران واعیان کو اطلاع کردی گئی ہے۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind
A/c: 629201058685
ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)
RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292

ڈاکٹر ایم این بیگ
پوسٹ بکس ۱۸، ٹونک-304001
فون:01432-244018
موبائل:09941464253

طب و صحت

مایوسی پر فتح

اگر غور کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ مایوسی کی اہم وجہ، خود اعتمادی کی کمی ہے، اور خود اعتمادی کی کمی محض اپنے نقائص کو بہت زیادہ محسوس کرنے کے باعث ہوتی ہے اور عام طور پر یہ احساس جسمانی نقائص کی موجودگی سے ہوتا ہے۔ اس کو اس طرح سمجھئے: **جسمانی نقائص، خود اعتمادی کی کمی، مایوسی**

مثلاً: اگر کوئی شخص ہکلاتا ہے یا پیر میں لنگ ہے تو اس کو ہمیشہ یہ احساس ستاتا رہتا ہے کہ دوسرے آدمی بھی اس کے اس نقص کا احساس کرتے ہیں، بس یہی خیال اس کی تمام ترقیوں کے لیے رکاوٹ بن جاتا ہے اور اس کی قوتِ عمل کو ضائع کر دیتا ہے، اور آخر کار وہ خود کو مظلوم سمجھنے لگتا ہے۔ ''ردعمل REACTION کے طور پر اس کو اپنے ہمسایوں، دنیا اور خود اپنے وجود سے نفرت ہو جاتی ہے۔''

یہ منفی سوچ ہے اور اس سے منفی نتائج کی ہی اُمّید کی جا سکتی ہے لیکن اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں بہت سے ایسے انسانوں نے عظیم الشان کام کیے جو جسمانی نقائص کے شکار تھے۔

☆ اپنی زندگی کو منفی سوچ سے تاریک نہ بنائیے۔

☆ سوچئے کہ آپ کیا کچھ کر سکتے ہیں، اگر کوئی شخص ایک کام کرنے سے معذور ہے تو دوسرا کام کر کے توازن قائم کر سکتا ہے، اور اس طرح رکاوٹوں پر فتح حاصل کی جا سکتی ہے۔

''دنیا کو صرف خوبیوں سے غرض ہے، جسمانی نقائص سے کوئی مطلب نہیں۔''

تھکن کا احساس: دماغی کام کرنے والے بھی، تھکن کا احساس کرتے ہیں کیوں کہ دماغ بھی جسم کے مانند کثرتِ کار کی وجہ سے تھک جاتا ہے اور اس کا واحد علاج صرف آرام ہے، تھکن دور کرنے کے لیے منشیات کا استعمال بے سود بھی ہے اور بے حد تباہ کن بھی، ان کا اثر بہت جلد زایل ہو جاتا ہے اور حالت پہلے سے بھی زیادہ خستہ ہو جاتی ہے۔

سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ خود کو تھکن کے حملے سے محفوظ رکھا جائے، کام کرتے وقت سستی سے دور رہا جائے، تندہی سے کام کیا جائے لیکن کام میں وقفوں پر آرام کرنا بھی ضروری ہے، اور جب آرام کیا جائے تو اچھی طرح آرام کیا جائے (آرام چاہے چند منٹوں کے لیے کیوں نہ ہو) جسم اور دماغ دونوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے، مشین کو تازہ دم ہونے کا موقعہ دیا جائے۔

ایک گھنٹے تک تندہی سے کام کرنے کے بعد اگر صرف پانچ منٹ آرام کر لیا جائے تو بہت مفید ہے، آپ یہ دیکھ کر حیران ہو جائیں گے کہ صرف پانچ منٹ میں بدن اور دماغ کس قدر آرام حاصل کر لیتا ہے۔

یاد رکھئے:- اگر باقاعدگی کے ساتھ وقفوں پر آرام کیا جائے تو تھکن کا احساس نہیں ہو سکتا۔

عقل سلیم: کئی آدمیوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ عقل سلیم کے مالک ہیں۔ ہمیں عقل سلیم کا مفہوم تو معلوم ہی ہے لیکن ذرا اس خوبی کی تفصیلات پر بھی غور کر لیں۔

عقل سلیم دراصل دماغ کی وہ اہلیت ہے جس سے کسی بھی کام کی ضروری تفصیلات اپنے اندر جذب کی جا سکتی ہیں۔

اس کے لیے قوتِ مشاہدہ اور اس قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے جس سے ضروری اور غیر ضروری عناصرِ کار میں تفریق کی جا سکے اور اسی قابلیت کی وجہ سے وہ عام آدمیوں سے قدرے مختلف نظر آتا ہے۔

یاد رکھئے: اگر مشاہدے کے اثرات کو حافظے میں محفوظ کر لیا جائے تو اس سے عقل سلیم کی تربیت ہوتی ہے۔

☆ قوتِ ارادی بھی عقل سلیم کی تربیت میں کافی مدد دیتی ہے۔

☆ عقل سلیم کا مالک، اپنے ساتھیوں میں ضرور دلچسپی لیتا ہے۔

☆ ضبط نفس صاحب عقلِ سلیم کا طرّۂ امتیاز ہوتا ہے۔

کامیابی سے نقصان کا خطرہ: اس خطرے کا ذکر کرنا بے حد ضروری ہے جو انسانی فطرت کا عجیب خاصہ ہے کہ بعض اوقات اس کی کامیابی خود اس کے لیے مایوسی اور تباہی کا سامان فراہم کر دیتی ہے، مثال کے طور پر لیڈر کہ وہ عام حیثیت سے کس قدر عظیم الشان ہوتے ہیں لیکن کسی منصب پر سرفراز ہونے کے بعد ان کی حیثیت صفر (زیرو) سے زیادہ نہیں رہتی۔

دراصل کامیابی ایک تند و تیز نشہ ہے جو مدہوشی طاری کر دیتا ہے، جب کہ اصلی چیز روح عمل ہے انسان فطری طور پر ہر وقت کسی نہ کسی حد تک جدوجہد کرتا رہتا ہے خواہ اپنے یا کسی اور کے مفاد کے لیے۔

ہم دماغی یا جسمانی طور پر ایک جگہ قائم نہیں رہ سکتے، اگر آگے نہیں بڑھیں گے تو پہلو میں لڑھک جائیں گے، فطرت کی ہر ایک چیز کے ساتھ ہمیں بھی حرکت کرنی ہوتی ہے۔

کامیابی سے اسی نقصان کا خطرہ ہے ہم کامیاب ہو کر سمجھ لیتے ہیں کہ منزل مقصود پر پہنچ گئے اور ہمیں اب آرام کرنا چاہئے، جب کہ یہ سوچ منفی ہے۔

حصول کامیابی و کامرانی کے معنی یہ ہیں کہ قوتوں کا رُخ تبدیل کر دیا جائے۔ جدوجہد جاری نہ رکھی جائے تو کہولت اور اس کے بعد تباہی کے آثار ظاہر ہونے لگیں گے۔ کامیابی پر مطمئن ہو جانا مناسب نہیں، کئی بڑے لوگوں کا انجام ہمارے سامنے ہے۔

☆☆☆

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

(۱)

سعودی عرب کی تیل تنصیبات پر حملہ لائق مذمت

دہلی ۱۷/ستمبر ۲۰۱۹ء

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی نے اپنے ایک اخباری بیان میں کہاہے کہ دہشت گردی عصر حاضر کا سب سے بڑا مہلک اورخطرناک ناسور ہے۔ مما لک، مذاہب اوراقوام سب اس کی زد میں ہیں۔ انسانیت اورخلق خدا کا اس سے بھاری نقصان ہے۔ اس لئے ہرانسان کا فرض ہے کہ وہ دہشت گردی کے خاتمے کے لئے جتنی بھی جدوجہد کرے کم ہے۔ دوسری خطرناک چیز جس سے انسانیت کا سب سے زیادہ نقصان ہوتاہے وہ جنگ وجدال ہے لہٰذا ہر انسان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس کے خلاف آواز اٹھانے اوراس کے ٹالنے کے لئے جو بھی وسائل وذرائع ہوسکتے ہوں یااس سلسلہ میں ہرشخص اپنے تئیں جو کچھ بھی کردار ادا کرسکتا ہو اسے بروئے کارلائے۔ دنیا کے بااثر مما لک، بین الاقوامی انجمنوں اور شخصیات کوبھی اس میں اپنا مثبت کردار ادا کرنا چاہئے اور انسانیت نیز دیگر خلق خداکو روز روز کی ان مصیبتوں سے نجات دلانی چاہئے۔

سعودی عرب ایک قابل قدر اورلائق فخراسلامی اسٹیٹ ہے جس میں مثالی امن وامان کا بول بالا ہے اوراسی وجہ سے انسانیت اوراسلام دشمن طاقتوں کی آنکھوں میں کانٹا بن کرچبھتا رہتا ہے۔ اس وقت کچھ اسلام دشمن طاقتیں حوثیوں کواستعمال کررہی ہیں اور خطے کے امن وامان کو تہ وبالا کئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے پہلے ملک یمن کے امن وامان کوغارت کیااور جب ان کی سرکوبی کی کوشش کی گئی تو بعض پڑوسی مما لک کے مادی ومعنوی تعاون سے پورے خطے کے امن وامان کے لئے خطرہ بن گئے۔ وہ کبھی سعودی عرب کے شہروں کونشانہ بناتے ہیں توکبھی کعبہ کونقصان پہنچانے کی اپنی دیرینہ روایت پرعمل پیرانظر آتے ہیں تووہ کبھی سعودی عرب کی تیل تنصیبات کو نشانہ بناتے ہیں اورکبھی عام لوگوں کے جان ومال کی ہلاکت وبربادی کے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ سعودی عرب کی تیل تنصیبات پر تازہ حملہ اس کی بڑھتی ہوئی ناقابل برداشت شرانگیزی کا بین ثبوت ہے۔ اس کی سنگینی کے پیش نظر ساری دنیا اس کی مذمت کررہی ہے۔ یہ ایک قسم کی دہشت گردی ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ حوثیوں ہی نہیں انہیں شہ دینے والوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی ان گھناؤنی حرکتوں سے باز آجائیں اورخطہ میں امن وامان کی بحالی کو یقینی بنائیں۔ یہ امت مسلمہ ہی نہیں پوری انسانیت کے مفاد میں ہے جس کواولیت دی جانی چاہئے۔ سعودی حکمراں اورعوام ان تخریبی ودہشت گردانہ حملوں سے کبھی مرعوب نہیں ہوسکتے بلکہ اپنی دیرینہ جرأت وحکمت سے حالات کا مقابلہ کریں گےاورسرخ روہوں گے۔

(۲)

نئی نسل کی تعلیم وتربیت، قومی یکجہتی کے قیام، امن وانسانیت کے فروغ اور دہشت گردی کے خاتمے کے لیے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیراہتمام بارہواں آل انڈیا ریفریشر کورس برائے ائمہ، دعاۃ ومعلّمین کا آغاز ۵/اکتوبر سے دہلی میں

دہلی: ۱۸/ستمبر ۲۰۱۹ء

مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے زیراہتمام گزشتہ سالوں کی طرح امسال بھی ملکی سطح پر ائمہ، دعاۃ اور معلمین کی تدریب وٹریننگ کے لیے مورخہ ۵/تا ۱۳/اکتوبر ۲۰۱۹ء اہل حدیث کمپلیکس اوکھلا، نئی دہلی میں ''بارہواں آل انڈیا دورہ تدریبیہ (ریفریشر کورس) برائے ائمہ، دعاۃ ومعلمین'' کا انعقادعمل میں آرہا ہے۔ جس میں پورے ملک سے صوبائی جمعیات اہل حدیث کے نامزدکردہ ائمہ دعاۃ ومعلمین شریک ہورہے ہیں۔ یہ جانکاری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی نے ذرائع ابلاغ کے نام جاری ایک بیان میں دی۔

امیر محترم نے دورہ تدریبیہ کی اہمیت وضرورت اورمعنویت واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ انسانی زندگی میں تعلیم وتربیت اورتدریب وٹریننگ کی بڑی اہمیت ہے۔ اس سے صلاحیتوں میں نکھار آتا ہے۔ فعالیت میں اضافہ ہوتاہے۔ منظم طریقے سے زندگی گزارنے، وسائل کو بہتر طور پر استعمال کرنے اوراحساس ذمہ داری کے ساتھ قوم وملت اورانسانیت کی خدمت کرنے کا سلیقہ آتا ہے۔ روحانی بالیدگی کے ساتھ ساتھ علوم ومعارف کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں اور ماہرین کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کا